انڈونیشیا کا ہوّا

اشتیاق احمد

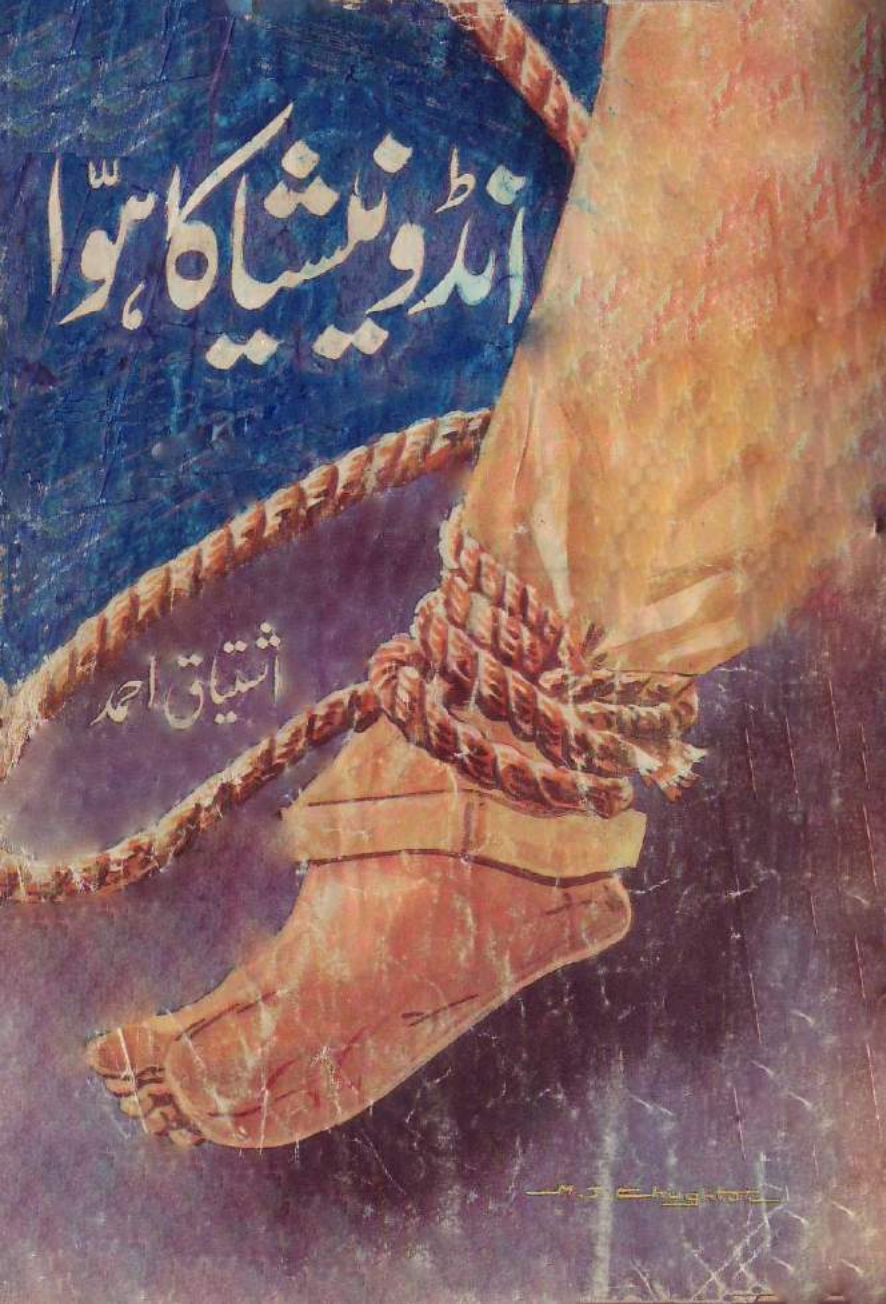

انڈونیشیا کا ہوّا

اشتیاق احمد

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام ناول ——— انڈونیشیا کا بتوا
طابع ——— اشتیاق احمد
مطبع ——— ماہ منیر پرنٹرز، لاہور
بار اول ——— فروری ۱۹۸۹ء
قانونی مشیر ——— نسیم احمد ایڈووکیٹ
کتابت ——— احمد سعید
سرورق ——— محمد جاوید چغتائی
قیمت ——— ۷/۵۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد ——— مسلم پارہ ——— سانده کلاں ——— لاہور
فون نمبر: 321537

حدیث شریف

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بشاش تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور میں دس مرتبہ اس پر رحمت نازل کروں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں۔

مشکوٰۃ، نسائی

دو باتیں

السلام علیکم!

"انڈونیشیا کا پتوا" کا مسودہ میری بغل میں تھا اور میں فیروز سنز کے دفتر میں متعلقہ آدمی کے سامنے بیگ بغل بنا بیٹھا تھا۔ انہوں نے اپنا جملہ دہرایا: "ان دنوں ہم مسودے نہیں لے رہے۔"

اور میرا دل بیٹھنے لگا۔ جیب بالکل خالی تھی۔ مایوس ہو کر اٹھ آیا۔ پھر گیا۔ اسی طرح کئی چکر لگانا پڑے۔ تنگ آ کر انہوں نے مسودے کی پہلی چند سطریں پڑھ لیں اور پھر یک دم مسودہ لینے پر آمادہ ہو گئے۔ ان دنوں اگرچہ وہ مسودے نہیں لے رہے تھے۔ پھر

بھی لے لیا۔

آج وہی ناول اپنے ادارے سے شائع کر رہا ہوں۔ آپ بھی اس کی پہلی چند سطریں پڑھ لیں۔ بس۔ اس کے بعد آپ ناول چھوڑ نہیں سکیں گے۔ تجربہ شرط ہے!

[illegible]

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں ___
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا ___
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں ___
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ___
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور کام سے فارغ ہو لیں۔ پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص

اشتیاق احمد

سونے کے دانت والا

یہ اُس روز کی بات ہے، جب ہم نے سونے کے دانت والے کو دیکھا تھا۔ ہم شام کی سیر کر کے گھر میں داخل ہوئے تو ڈرائنگ روم سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ آواز نئی بھی تھی اور عجیب بھی۔

ہمارے کان کھڑے ہو گئے کہ یہ ایسے موقعوں پر کھڑے ہو ہی جایا کرتے ہیں۔ میں نے اشفاق، اخلاق اور آفتاب کی طرف دیکھا اور انھوں نے میری طرف۔ پھر ہم دبے پاؤں ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازہ بند تھا۔ اس میں تھوڑی سی درز پیدا کرنے کے لیے اشفاق نے اپنی ایک اُنگلی سے اس کو ہلکا سا ٹھوکا دیا۔ مگر اشفاق ٹھہرا لمبے قد کا مالک۔ اس کا ٹھوکا کچھ زیادہ لمبا ہو گیا اور دروازہ آدھا کھل گیا۔

دروازہ نہ صرف آدھا کھلا تھا بلکہ اپنی چرچراہٹ بھی اندر بیٹھنے والوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ لوگ چونک اُٹھے اور ہم گھبرا گئے۔ ہم نے انھیں اور انھوں نے

ہمیں دیکھا۔ یوں جیسے ہم سب کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔

اندر ابا جان ایک صاحب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ لیکن یہ ایک صاحب کم از کم پاکستانی نہیں تھے۔ کسی اور ملک کے تھے۔ ہم اندازہ نہیں لگا سکے۔ ان کے نقش و نگار کچھ چینیوں سے ملتے تھے تو کچھ جاپانیوں سے، اور کہیں کہیں سے وہ ہندوستانی بھی نظر آتے تھے۔ ہم حیران تھے کہ انھیں کون سے ملک کا سمجھیں۔ ہمارے لیے دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ ایک غیر ملکی کا ہمارے ہاں کیا کام۔ وہ تو ڈرائنگ روم میں بیٹھے ابا جان سے باتیں کر رہے تھے کہ اشفاق کے ٹھوکے نے کام بگاڑ دیا۔

"تم... تم یہاں کیوں چلے آئے؟ جاؤ... جاکر اپنا کام کرو۔" ابا جان ہمیں دیکھ کر گھبرا گئے جیسے کسی غیر ملکی سے مل کر وہ کوئی غلط کام کر رہے ہوں۔ ہم نے حیران ہو کر انھیں دیکھا۔ مہمان بھی ہماری طرف دیکھنے لگا تھا اور اس نے اپنی بات درمیان میں ہی چھوڑ دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا کہ ہم گڑبڑا کر رہ گئے۔

"ابا جان... وہ... میں... جی" میں نے کچھ کہنا چاہا مگر ہکلا کر رہ گیا۔

"وہ میں کیا۔ جو کہنا ہے جلدی کہو۔"

جی کہنا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ڈرائنگ روم سے باتیں کرنے کی آواز آئی تو ہم ادھر چلے آئے۔" اخلاق نے جھجکتے ہوئے کہہ دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اچھا کیا چلے آئے۔ اب جاؤ۔"

ہمارا خیال تھا کہ وہ ہمیں اپنے مہمان سے ملوائیں گے یا کم از کم مہمان ہی ہمارے بارے میں ان سے کوئی سوال کر بیٹھیں گے، لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی بھی نہ ہوئی۔ البتہ تیسری بات ضرور ہوئی۔ یعنی ہم مایوس ہو گئے۔ ساتھ ہی ہم پر جھلاہٹ کا دورہ بھی پڑا۔ واپس مڑنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ آفتاب کی زبان چل نکلی:

"ابا جان، دراصل ہم اس لیے ادھر آنکلے تھے کہ شاید مہمان کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو۔"

"نہیں انھیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔" ابا جان جلدی سے بولے۔

"کیا آپ ہمیں اپنے مہمان سے نہیں ملوائیں گے؟" اشفاق نے پوچھا۔

"تم چاروں کے حواس تو ٹھکانے ہیں، آج کیا ہو گیا ہے تمھیں؟ میں کہتا ہوں جاکر آرام کرو، اور تم سوال پہ سوال کیے جا رہے ہو! یہ صرف میرے مہمان ہیں، ان کا

تم سے یا تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ سمجھے؟ اب اگر تم نے کوئی سوال کیا تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"بہت بہتر، ابا جان۔ ہم اچھی طرح سمجھ گئے۔" میں نے باادب ہو کر کہا۔

"کیا سمجھ گئے؟" انھوں نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

"یہی کہ آپ ان کے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے۔"

"چلو، یہی سمجھ لو۔" ابا جان مسکرائے۔

"لیکن ابا جان، گستاخی معاف... ہم آخر آپ کے بیٹے ہیں۔ ہمارا بھی آخر اس گھر پر حق ہے۔ اگر یہ آپ کے مہمان ہیں تو ہمارے بھی ہیں، اور ہم اتنے غیر مہذب نہیں کہ مہمان سے ملے بغیر ہی آرام کرنے کے لیے چلے جائیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں ان سے ملوا دیں۔ اس کے بعد ہم ایک سیکنڈ کے لیے بھی یہاں نہیں رُکیں گے۔" اخلاق کہتا چلا گیا۔

اس کے خاموش ہونے کے بعد مہمان نے انگریزی میں ابا جان سے سوال کیا: "یہ بچے کیا کہہ رہے ہیں؟"

"آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" ابا جان بولے۔

"اوہ! ضرور... ضرور... اس میں کیا حرج ہے۔ انھیں

اندر بُلائیے۔ میں ان سے ضرور ملوں گا۔" ہمیں یوں لگا، جیسے وہ زبردستی مسکرایا ہو۔

ابا جان نے ہمیں قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہو گئے۔ ڈرتے ڈرتے اس لیے کہ کہیں ابا جان مہمان سے ملوانے کے بجائے خود ہی ہم سے ملنا شروع نہ کر دیں۔ ان سے ملاقات کرتے ہوئے ہماری جان جاتی ہے، جان۔ وہ مہمان سے تعارف کراتے ہوئے بولے:

"یہ میرا سب سے بڑا بیٹا شوکی ہے، اور یہ اشفاق، اخلاق اور آفتاب ہیں۔ چاروں سکول میں پڑھتے ہیں۔ بہت ذہین ہیں، اتنے کہ بعض اوقات میرا دماغ تک چاٹ جاتے ہیں۔ اور یہ میرے دوست جیکارتا ہیں۔"

"جیکارتا!" ہمارے منھ سے نکلا۔

"ہاں، یہ انڈونیشیا کے رہنے والے ہیں۔"

"اوہ!" ہم ایک ساتھ بولے۔ ہمارا جی چاہا، ابا جان سے سوال کریں کہ یہ انڈونیشیا سے آپ کے پاس کیا لینے آئے ہیں، مگر ہم یہ سوال نہ کر سکے۔

ہم مسٹر جیکارتا سے ہاتھ ملا کر فارغ ہوئے تو ابا جان نے اشارہ کیا کہ اب ہم جا سکتے ہیں۔ ہم مہمان کے آگے

ادب سے جھکے تو وہ بے ساختہ مسکرا دیا اور اس وقت ہم نے دیکھا کہ اس کا سامنے کا ایک دانت سونے کا تھا۔

ہم پریشان ہو گئے تھے۔ مہمان میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو ہمیں رہ رہ کے فکرمند کر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے ہم نے امّی جان سے مہمان کے بارے میں کچھ پوچھ لینا مناسب سمجھا۔ وہ باورچی خانے میں شام کا کھانا تیار کرنے میں مصروف تھیں۔

"امّی جان، کیا آپ ہمیں اس مہمان کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تمھارے جانے کے بعد تمھارے ابّا جان گھر آئے تھے۔ اُن کے آنے کے صرف چند منٹ بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ دروازے پر گئے تو وہاں یہ شخص کھڑا تھا۔ میں اندر تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک وہ مہمان کے ساتھ ڈرائنگ روم ہی میں ہیں۔ میں نے دو ایک بار دروازے پر جا کر چائے وغیرہ کے لیے پوچھا مگر انھوں نے کہا کہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔"

"ہم اتنا اور جانتے ہیں کہ مہمان انڈونیشیا کا رہنے والا ہے اور اس کا نام جیکارتا ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں بھی

معلوم نہیں، لیکن دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔" اشفاق نے کہا۔

"اور ہمیں اسی کالے کی تلاش ہے۔" اخلاق بولا۔

"ویسے امّی، ابّا جان نے کبھی اپنے کسی انڈونیشی دوست کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتایا؟" آفتاب نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ اپنے دوستوں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتاتے۔ تم فکر نہ کرو۔ جاؤ اور جا کر سکول کا کام کرو۔"

ہم اپنے کمرے میں چلے آئے۔ سکول کا کام کرتے ہوئے بھی ہم مہمان کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ شام کا کھانا ہم نے اپنے کمرے میں ہی کھایا، کیونکہ ابّا جان نے مہمان کو چھوڑ کر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ مہمان کو بھوک نہیں تھی اور ابّا جان بھی شاید مہمان کی وجہ سے بھوکے رہنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد پڑھتے پڑھتے اور مہمان کے بارے میں باتیں کرتے کرتے نہ جانے کس وقت ہم سو گئے۔

پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی مجھے شانے سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔ زیرو کے بلب کی روشنی میں میں نے دیکھا، وہ اخلاق تھا۔ میں نے جھنجلا کر پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

"بھائی جان! ذرا سُنیے! یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ ڈرائنگ روم کی طرف سے عجیب و غریب آوازیں آ رہی تھیں۔ پہلے کرسی گھسیٹنے کی آواز آئی، پھر دھپ دھپ ہونے لگی۔ تیسری آواز ایک ہلکی سی چیخ کی تھی۔ میں گھبرا گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے! جلدی جلدی اشفاق اور آفتاب کو بھی اٹھایا۔ کھڑبڑ کی آوازیں جاری تھیں۔

آخر ہم اپنے کمرے سے باہر نکل کر دبے پاؤں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔ اسی وقت ہم نے امّی جان کو اپنے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ ہم رُک گئے اور جب وہ پاس آ گئیں تو میں نے سرگوشی کی:

"آپ نے یہ آوازیں سُنیں؟"

"ہاں، میرا تو دل ہول رہا ہے۔ نہ جانے کیا معاملہ ہے! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو۔" اُنھوں نے تھرتھر کانپتے ہوئے کہا۔

"آیئے، ڈرائنگ روم میں چل کر دیکھیں۔" میں نے کہا۔

اور ہم پانچوں آگے بڑھے۔ عین اس وقت آوازوں کا سلسلہ رُک گیا۔ موت جیسی خاموشی چھا گئی۔ ہمیں یُوں لگا جیسے ہم وہم کا شکار ہو گئے ہوں۔ آخر ہم دروازے تک پہنچ گئے۔ اشفاق نے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے

بند تھا۔ ہم نے دروازے سے کان لگا دیے، لیکن اندر سے کوئی ہلکی سی آواز بھی سنائی نہ دی۔ حیرت کے مارے ہمارا بُرا حال تھا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دروازہ زور سے کھٹکھٹا دیا۔

"ابّا جان! دروازہ کھولیے!" اخلاق چلّایا۔

کوئی جواب نہ ملنے پر ہم بے چین ہو گئے۔ آفتاب نے پوری قوت سے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا۔ اس پر بھی ابّا جان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ہم نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کہیں وہ آوازیں کسی اور کمرے سے تو نہیں آ رہی تھیں؟" میرے مُنھ سے نکلا۔

"لیکن ڈرائنگ روم کا دروازہ تو اندر سے بند ہے۔" اشفاق نے کہا۔

"جس کا مطلب یہ ہے کہ ابّا جان اور مہمان ڈرائنگ روم میں ہی ہیں۔" اخلاق نے کہا۔

"تو پھر اندر سے جواب کیوں نہیں ملتا، آخر یہ چکر کیا ہے؟" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیوں نہ ہم پہلے پُورے مکان کی تلاشی لے لیں۔" امّی جان نے مشورہ دیا۔

"لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے، آوازیں اسی کمرے سے آ رہی تھیں۔ اس صورت میں ہمیں وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں کہتا ہوں، فوراً دروازہ توڑ دینا چاہیے۔" میں نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ دروازہ ہم سے نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ہم کھڑکی ضرور توڑ سکتے ہیں۔" امّی بولیں۔

"تو آیئے۔ نہ جانے اندر کیا گڑبڑ ہے۔ آخر ابّا جان جواب کیوں نہیں دیتے!" آفتاب نے کہا۔

ہم سب کھڑکی کے سامنے آئے اور اسے دھکا دیا۔ کھڑکی ہلی ضرور، لیکن ٹوٹی نہیں۔ ہم ایک ساتھ پیچھے ہٹے اور دوڑتے ہوئے کھڑکی کی طرف آئے۔ دس ہاتھ ایک ساتھ کھڑکی کے پٹوں سے ٹکرائے اور اس کے تبصنے اُکھڑ گئے۔

ڈرائنگ روم میں اندھیرا تھا۔ لیکن یہ ہمارا گھر تھا۔ ہم اندھیرے میں بھی چل پھر سکتے تھے۔ سب سے پہلے میں نے کھڑکی پھلانگی۔ پھر فرش پر چھلانگ لگا دی اور دوڑا سوئچ کی طرف۔۔ اتنے میں اخلاق بھی کود چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں سوئچ تک پہنچ گیا۔ اِدھر میں نے سوئچ دبایا، اُدھر اشفاق نے کھڑکی پھلانگی۔ لیکن یہ کیا؟ سوئچ دبنے کی آواز کمرے میں ضرور گونجی تھی، لیکن بلب روشن نہیں ہوا تھا۔

"ابّا جان! کیا آپ کمرے میں ہیں؟" اشفاق نے بوکھلا کر پوچھا۔

کوئی جواب نہ ملا۔ میں حیران تھا کہ سوئچ دبانے پر بلب کیوں نہیں جلا؟ اسی وقت اخلاق نے پوچھا:

"بھائی جان! آپ نے سوئچ دبایا تھا؟"

"ہاں، دبایا تھا، لیکن بلب روشن نہیں ہوا۔"

"تو پھر خدا کے لیے جلدی سے کمرے کا دروازہ کھول دیجیے تاکہ برآمدے کے بلب کی روشنی اندر آ سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" امّی بولیں، جو ابھی ابھی اندر کودی تھیں۔

ہم سب اندھیرے میں کھڑے تھے اور ایک دوسرے کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ اچانک اندھیرے میں کوئی دھڑام سے گرا۔ ساتھ ہی ایک چیخ گونجی۔ پھر اشفاق کی کپکپاتی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔

"ارے! باپ رے! یہ... یہ ہیں...."

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" امّی نے جلدی سے پوچھا۔

"بھالو۔ فرش پر کوئی پڑا ہے۔ ہم... میں اس کے اوپر گر پڑا تھا۔" اشفاق کی آواز تھرا رہی تھی۔

"ارے باپ رے!" میرے منہ سے نکلا۔

بدقسمتی نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایسے میں

ہم ایک ساتھ دروازے کی طرف بھاگے اور ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ میرا سر اشفاق کے سینے پر لگا۔ اشفاق جو لڑکھڑایا تو اخلاق سے گڈمڈ ہو گیا۔ آفتاب اور امّی ایک ساتھ دروازے پر پہنچے اور ان کے گندھے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ امّی جان نے حواس بحال کیے اور دروازہ کھول دیا۔ برآمدے میں جلنے والے زیرو کے بلب کی روشنی کمرے میں آئی، لیکن کمرے کو روشن نہ کر سکی۔ مدھم مدھم روشنی میں ہم نے اس انسانی ڈھیر کو دیکھا جو اوندھے منھ فرش پر پڑا تھا۔ پہلی نظر میں ہم جان نہ سکے کہ وہ کون ہے۔ ہمارے دل بُری طرح دھڑک رہے تھے اور ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ ہم میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اس اوندھے منھ پڑے ہوئے جسم کو سیدھا کر سکتے۔ ہم نے بلب کی طرف دیکھا۔ وہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے ٹکڑے قریب ہی پڑے تھے۔

اچانک میں نے آفتاب سے کہا:

"آفتاب جلدی کرو۔ ٹیبل لیمپ اٹھا لاؤ۔"

آفتاب دوڑتا ہوا چلا گیا اور ہم بے تابی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ایک منٹ تک پتھر کے بُتوں کی طرح کھڑے رہنے کے بعد آفتاب دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اشفاق نے لیمپ آفتاب کے ہاتھ سے جھپٹ کر

اس کا شو پلگ میں لگا دیا۔ دوسرے ہی لمحے کمرا روشن ہو گیا۔

اور ہم نے دیکھا، اوندھے منھ پڑا ہوا شخص جیکارتا کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ سو فی صد یقین کرنے کے لیے میں نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کر دیا۔

دفعتہً ہم سب کی چیخوں سے ڈرائنگ روم گونج اٹھا۔ وہ شخص، جس کا نام جیکارتا تھا اور جس کا ایک دانت سونے کا تھا، مر چکا تھا۔ اس کا جسم پتھر کی طرح سخت اور ٹھنڈا ہو چکا تھا لیکن اس کے جسم پر کوئی زخم نہ تھا۔ اور کمرے میں ابّا جان کا کہیں نام نشان تک نہ تھا۔

پولیس

ہم تھر تھر کانپنے لگے۔ ہمارے ہوش اُڑ گئے تھے۔ اس لیے اُس وقت کی سب سے عجیب بات کی طرف ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ چند منٹ تک تھر تھر کانپنے کے بعد کہیں جا کر ہم اس قابل ہوئے کہ معاملے پر کچھ غور کرتے۔ سب سے پہلے اشفاق نے تقریباً چلا کر کہا:

"ابا جان! آپ کہاں ہیں؟"

اس کی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ گئی۔ ہم نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور اُس وقت ہمیں اس عجیب ترین بات کا خیال آیا۔ بات یہ تھی کہ کمرا تو اندر سے بالکل بند تھا، پھر ابا جان کہاں گئے؟ اگر وہ باہر تھے تو مہمان کو کس نے مارا؟ کیا اس نے کمرا اندر سے بند کر کے خودکشی کر لی؟ لیکن نہیں، اس طرح کیسے خودکشی کی جا سکتی ہے۔ خودکشی کرنے والا بدنصیب تو اپنے گلے میں پھندا ڈال کر لٹک جاتا ہے یا پھر پستول کی گولی کن پٹی پر مار لیتا ہے۔ یہاں تو معاملہ ہی دُوسرا تھا۔

جیکارتا اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہ تھا۔ نہ فرش پر خون موجود تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ جیکارتا کیسے مرا اور ابا جان کہاں ہیں؟ اگر جیکارتا کو ابا جان نے ہلاک کیا ہے تو وہ کمرا اندر سے بند کر کے کیسے غائب ہو سکتے ہیں؟ یہ تھے وہ سوال جنھوں نے ہمیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔ دُوسری طرف ہمیں اس بات کا بھی فکر تھا کہ اگر یہ کام ابا جان کا ہے تو ہم اَن گنت مصیبتوں میں گھر جائیں گے۔ پولیس ابا جان کو چھوڑنے والی کہاں تھی۔ پولیس کے خیال سے ہی ہم کانپ گئے۔ لیکن اب پولیس کو فون کرنے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ میرے منہ سے نکلا:

"اوہ! ہمیں صدر دروازہ دیکھنا چاہیے۔ اگر وہ اندر سے کھلا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابا جان باہر جا چکے ہیں تاکہ.... تاکہ...."

"تاکہ کیا؟" امی جان نے گھبرا کر پوچھا۔

"تاکہ پولیس انھیں گرفتار نہ کر سکے" اشفاق نے کہا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"نہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ وہ اتنے بُزدل نہیں ہیں۔ اگر یہ کام اُنھوں نے کیا ہے تو وہ بھاگنے کی کوشش

ہرگز نہیں کریں گے" امّی جان نے کہا۔

"خیر، پہلے ہمیں صدر دروازہ تو دیکھ لینا چاہیے" میں نے کہا، اور ہم سب تیز تیز چلتے ڈرائنگ روم سے نکل آئے۔ ہم ایک ساتھ صدر دروازے پر پہنچے، اور پھر ہم سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ صدر دروازہ اندر سے بند تھا اور ہمارے گھر سے باہر نکلنے کا صرف یہی ایک راستہ تھا۔ ہمیں چکر پر چکر آنے لگے۔

"تو... تو.. کیا ابّا جان گھر میں ہی ہیں؟" میرے منہ سے نکلا۔

"اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے" آفتاب بولا۔

"لیکن وہ گھر میں کس جگہ ہیں؟" امّی نے کہا۔

"آؤ، انھیں تلاش کریں" میں نے کہا۔

ہم نے جلدی جلدی پورا گھر کھنگال ڈالا، مگر ابّا جان کو نہ ملنا تھا، نہ ملے۔

"اب کیا کریں؟"

"حیرت ہے! دروازہ تو اندر سے بند ہے۔ پھر ابّا جان باہر کیسے جا سکتے ہیں؟"

"انھیں ضرور کالا علم آتا ہوگا ورنہ وہ دروازہ کھولے بغیر باہر نہیں جا سکتے تھے" اخلاق نے کہا۔

"یا پھر شاید ان کے پاس کوئی سلیمانی ٹوپی ہوگی"

"یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں، سوچنا یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ ہمارے گھر میں اس وقت ایک لاش موجود ہے" میں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ! ہاں یہ بھی ٹھیک ہے"

"اب ہم پولیس کو فون کرنے کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں"

"گویا ہم خود ہی پولیس کو دعوت دیں کہ وہ آکر ابّا جان کو گرفتار کرلے" اخلاق نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"ان حالات میں ہم کچھ اور کر بھی تو نہیں سکتے۔ تاہم پولیس کو بلانے کا مقصد یہ نہیں ہوگا کہ ہم ابّا جان کو گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ ابّا جان تو یہاں موجود ہی نہیں ہیں۔ اب اس مسئلے کو صرف پولیس ہی حل کر سکتی ہے۔ ہماری عقلیں تو چوپٹ ہو کر رہ گئی ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے، ابّا جان نے اس شخص کو بلا وجہ ہلاک نہیں کیا۔ اس کی ضرور کوئی وجہ ہوگی" میں نے لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی۔

"اس صورت میں انھیں غائب ہونے کی کیا ضرورت تھی؟" آفتاب نے سوال کیا۔

"اس سوال کا جواب ابّا جان ہی دے سکتے ہیں" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ چلو، فون کرتے ہیں۔ اللہ مالک ہے"
امی جان نے پُرسکون آواز میں کہا۔

ہم سب بوجھل قدم اُٹھاتے ہوئے برآمدے میں آئے۔ فون کرنے کی ذمے داری میں نے اشفاق پر ڈالی۔ اس نے کہا بھی کہ پولیس کو فون کرتے ہوئے اسے ڈر لگتا ہے، لیکن میں نے جب اُسے گھور کر دیکھا تو اُس نے جھٹ ریسیور اُٹھا لیا اور اپنے علاقے کے تھانے کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دُوسری طرف سے فوراً ہی کسی نے کہا:

"ہیلو! یہ پولیس سٹیشن دھلمت آباد ہے"

"شکریہ جناب" اشفاق نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" دُوسری طرف سے کہا گیا۔ آواز میں حیرت تھی۔

ہم سب فون کے پاس کان لگا کے کھڑے تھے۔ ہم اشفاق کو اس طرح گڑبڑاتے دیکھ کر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور اسے گھور کر اشاروں میں کہا:

"ڈھنگ سے بات کرو"

"جی۔ بات دراصل یہ ہے ڈھنگ کی کہ ...." اشفاق کے ہوش اُڑے جا رہے تھے۔

"یہ کیا بکواس ہے! یہ کون بدتمیز بول رہا ہے؟"

"جی، میرا نام اشفاق ہے۔ ہمارے گھر میں ایک قتل ہو گیا

ہے" اشفاق نے تیزی سے کہا۔

"کیا کہا، قتل ہو گیا ہے؟ تم ہوش میں تو ہو؟" دوسری طرف سے چیخ کر کہا گیا۔

"جج جی... ہاں۔ اگر ہوش میں نہ ہوتا تو فون کیسے کرتا"

"اپنا پتا لکھوائیے"

اشفاق نے گھر کا پتا نوٹ کروایا۔ دُوسری طرف سے یہ کہہ کر سلسلہ بند کر دیا گیا کہ ہم پہنچ رہے ہیں۔ کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ لاش والے کمرے کو بند کر دیا جائے۔

اشفاق نے ریسیور رکھ دیا۔ ہم سب سر جھکائے باہر نکلے اور پولیس کی ہدایت کے مطابق کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اب ہم برآمدے میں کھڑے پولیس کا انتظار کر رہے تھے۔ ہمارے دل دھک دھک کر رہے تھے، کیونکہ ہمارے ڈرائنگ روم میں ایک لاش موجود تھی اور ابا جان غائب تھے۔ ہماری زندگی میں اس سے زیادہ عجیب دن کبھی نہیں آیا تھا۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔

ہم نے جب سے ہوش سنبھالا، یہ پہلا موقع ہے کہ پولیس ہمارے گھر میں داخل ہوئی۔ اس سے پہلے ہمیں کبھی پولیس سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اب ہم آپ کو یہ کہانی سنا

اور حیرت انگیز داستان سنانے بیٹھے ہیں تو یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہمارے والد چمڑے کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ ان کا نام مشتاق احمد خان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر نعمت سے نوازا ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ اس واقعے سے پہلے ہم نے ہمیشہ پُرسکون وقت گزارا اور کبھی رنج، غم اور پریشانی کا منھ نہیں دیکھا۔ یہ واقعہ جو پیش آیا تو ہمیں یوں لگا جیسے اچانک ہم پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ پولیس ہم سے کیسا سلوک کرے گی۔

گھنٹی کی آواز سن کر ہم چونک اُٹھے اور دروازے پر پہنچ گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ایک تھانیدار چار کانسٹیبلوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ شاید جیپ سے اُترے تھے، کیونکہ گلی میں ہمیں ایک جیپ بھی کھڑی دکھائی دی تھی۔

"آپ میں سے اشفاق کس کا نام ہے؟" تھانیدار نے کرخت لہجے میں پُوچھا۔

"جی، میرا" اشفاق نے بوکھلا کر کہا۔

"فون آپ نے ہی کیا تھا؟" اس نے پُوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کے گھر میں کون قتل ہوا، کس نے قتل کیا اور کیوں کیا؟ ایک سانس میں بتائیے۔"

"جی، ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون ہے اور اسے کس نے قتل کیا ہے۔ صرف اس کا نام جانتے ہیں" اشفاق نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" تھانیدار نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"جی، ہمارا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی بات نہیں ہوئی" اشفاق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ بیگم صاحبہ، آپ بتائیے، کیا ماجرا ہے؟ شاید حالات نے آپ لوگوں کو بدحواس کر دیا ہے، اس لیے صحیح بات نہیں بتا پا رہے" تھانیدار کے لہجے میں سختی کے فوراً بعد نرمی آ گئی اور ہم نے اسے حیران ہو کر دیکھا، کیونکہ ہم نے تو سُنا تھا کہ تھانیدار قسم کے لوگ کبھی کسی سے نرمی سے بات نہیں کرتے۔

"میرا بیٹا ٹھیک کہہ رہا ہے، جناب۔ آپ اندر چل کر لاش کا معائنہ کر لیں۔ اس کے بعد ہم آپ کو تفصیل سے ساری بات بتا سکیں گے۔"

"اچھا، چلیے۔"

ہم سب ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ تھانیدار نے لاش دیکھ کر ایک لمبا سا سانس لیا، پھر جُھک کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ اس نے اِردگرد کی چیزوں کو بھی دیکھا۔ پھر لاش

کی نبض ٹٹولتے ہوئے بولا:

"کیا یہ شخص واقعی مر چکا ہے؟"

"جی، ہمارا خیال تو یہی ہے" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"لیکن اس کے جسم پر زخم کا تو کوئی نشان ہے نہیں، اور نہ گلا گھونٹنے کے آثار ہی ہیں۔"

"ہم اس بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیسے مرا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ مر چکا ہے" اخلاق نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں.... ٹھیک ہے۔ اچھا، یہ بتائیے، کمرے کی کسی چیز کو چھیڑا تو نہیں گیا؟"

"جی ہاں۔ صرف ایک چیز کو چھیڑا گیا ہے" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مگر کیوں؟ میں نے تو منع کر دیا تھا" تھانیدار نے آنکھیں نکالیں۔

"ہم آپ کی ہدایت سے پہلے ہی چھیڑ چکے تھے، کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔"

"وہ کیا چیز ہے، جسے آپ نے چھیڑا ہے؟"

"جی، لاش۔"

"کیا کہا؟ آپ لوگوں نے لاش کو ہلایا جلایا ہے؟" تھانیدار نے گھبرا کر کہا۔

"جی ہاں، کیونکہ یہ اوندھے منہ پڑی تھی۔ ہم نے یہ دیکھنے کے لیے اسے سیدھا کیا تھا کہ دیکھیں تو سہی یہ ہے کون" امی جان نے بتایا۔

"یہ بہت برا ہوا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خیر، اب آپ لوگ اسے اسی طرح اوندھا کر دیں جس طرح یہ پڑی تھی" اس نے کہا۔

"جی، کیا مطلب؟" میں نے چونک کر کہا۔

"اس طرح ہمیں تفتیش میں مدد ملے گی۔"

ہم نے تھانیدار کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد اس نے ہر چیز کا جائزہ لیا، اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھا اور پھر ہماری طرف مڑا:

"ہاں، اب واقعات بتائیے۔"

ہم نے چند سیکنڈ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے میں ضائع کیے کہ کون اس کو سارے واقعات سنائے۔ آخر امی نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ انھوں نے تفصیل سے ایک ایک بات بتائی۔ اچانک تھانیدار چلا اٹھا:

"کیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے! نہیں۔ آپ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" امی بوکھلا اٹھیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کمرا اندر سے بند تھا اور لاش
پڑی تھی۔ اسے جس کسی نے بھی قتل کیا ہے، وہ ضرور کمرے
کے اندر رہا ہوگا، خواہ وہ آپ کے شوہر ہوں یا کوئی اور۔
اس کے بعد وہ نکل بھاگا ہوگا۔"

"یقین کیجیے تھانیدار صاحب، کمرا اندر سے بند تھا۔
صرف یہ بلکہ باہر کا دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔"

"ہیں! یہ کیا بات ہوئی؟ یک نہ شد دو شد۔ باہر کا
دروازہ بھی اندر سے بند تھا تو پھر آپ کے شوہر کہاں گئے
کیا وہ پر لگا کر اُڑ گئے؟"

"ہم خود چکر پر چکر کھا رہے ہیں۔ آپ یہ بھی تو سوچیے
کہ لاش کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہے۔ کیا ایسا
نہیں ہو سکتا کہ ابا جان مہمان کو چھوڑ کر کہیں باہر نکل گئے
ہوں اور رات ہونے کی وجہ سے انھوں نے مہمان سے
درخواست کی ہو کہ وہ مکان کا اور کمرے کا دروازہ اندر
سے بند کر لے۔" میں نے خیال پیش کیا۔

"اور اس کے بعد مہمان اوندھے منہ فرش پر گرا اور پھر
سے مر گیا۔" تھانیدار نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، شاید اس کا ہارٹ فیل ہو گیا ہو۔ آخر لوگ اس طرح
بھی تو مر جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، مہمان دل کا مریض ہو۔"

ابا جان کے جانے کے بعد اس پر دل کا دورہ پڑا ہو۔
اس نے اُٹھ کر دروازے کی طرف آنے کی کوشش کی
ہو اور اس کوشش میں وہ کرسی اور میز سے بھی ٹکرایا ہو۔
پر دروازے کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی اس کی رُوح
پرواز کر گئی ہو۔ کیا یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا؟" میں کہتا
چلا گیا۔

"ہاں، ہونے کو تو ہو سکتا ہے، لیکن میں ایسی باتیں فرض
نہیں کیا کرتا۔ جب تک لاش کا پوسٹ مارٹم نہیں ہو جاتا،
اس وقت تک کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ اگر آپ کے
والد موجود ہوتے تو پھر اس راز پر سے پردہ اُٹھ سکتا تھا۔
خیر، اب ہم لاش کو لے جائیں گے۔ آپ اس شہر سے باہر
نہیں جا سکتے۔ اگر آپ کے والد واپس آ جائیں تو فوراً
مجھے اطلاع دیں۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے کے بعد
میں پھر آؤں گا۔"

"جی، اچھا۔ مگر تھانیدار صاحب، ایک بات رہ گئی ہے۔"
مجھے کچھ خیال آیا۔

"وہ کیا؟" اس نے پوچھا۔

"شاید اس بات کا تعلق اس واقعے سے نہ ہو، لیکن
نہ جانے کیوں میرا دل مجھ سے بار بار کہہ رہا ہے کہ میں وہ

بات آپ کو بتا دوں" میں نے کہا۔

"ضرور بتائیں۔ بعض اوقات دل بالکل صحیح کہتا ہے" تھانیدار پہلی مرتبہ مسکرایا۔

"بات یہ ہے، جناب، کہ اس مُردہ شخص کا ایک دانت سونے کا ہے"

"اور یہ انڈونیشیا کا رہنے والا ہے" ایک دم تھانیدار کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں۔ یہ تو ہم آپ کو بتا ہی چکے ہیں"

"نہیں" تھانیدار نے چیخ کر کہا۔

ہم نے دیکھا، اس کا پورا جسم کپکپا رہا تھا، آنکھوں سے بے پناہ خوف جھانک رہا تھا۔ ہم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے تکنے لگے۔ ہم سوچ رہے تھے، آخر تھانیدار کو کیا ہو گیا ہے۔ ہم نے سونے کے دانت ہی کا تو ذکر کیا تھا، ہاتھی کے دانت کا نام تو نہیں لیا تھا۔ لیکن ہم چونکہ ابا جان کی وجہ سے پریشان تھے، اس لئے اس سے کچھ بھی نہ پوچھ سکے۔ دوسری طرف وہ ابھی تک پتھر کا بُت بنا کھڑا تھا۔

سونے کے دو دانت

جب ہم حیرت کے دریا سے باہر نکلے تو تھانیدار ہوش لے کر جا چکا تھا۔ ہم اس سے یہ بھی نہ پوچھ سکے کہ سونے کے دانت میں آخر ایسی کیا بات تھی کہ وہ کپکپا اُٹھا تھا!

اس کے جانے کے بعد بھی ہم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ان حالات میں نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے ذہنوں میں سب سے بڑا سوال یہی کلبلا رہا تھا کہ آخر ابا جان کہاں گئے؟ پھر یہ کہ اُنھوں نے جیکارتا کو کیوں ہلاک کیا، اور اگر ہلاک کر ہی بیٹھے تھے تو بند کمرے اور بند مکان سے غائب کس طرح ہو گئے؟ اچانک مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے کہا:

"کیوں نہ ہم کمرے کا دروازہ بند کر کے، اسے کھولے بغیر، باہر نکلنے کی کوشش کریں؟"

"کیا مطلب؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے" اخلاق نے چونک کر کہا۔

"آخر ابّا جان بھی تو گئے ہی ہیں" میں نے جلدی سے کہا۔

"خدا جانے کیا چکّر ہے! وہ کس طرح گئے ہیں، ہم کیا کہہ سکتے ہیں" امّی بولیں۔

"پھر بھی، امّی جان، تجربہ کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اب نیند تو آنے سے رہی۔ یہ بھی کر دیکھتے ہیں۔" اُنھوں نے کہا اور ہم ایک بار پھر ڈرائنگ روم میں آئے اور اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کھڑکی بھی بند کر دی۔ اس کے بعد پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ دروازے اور کھڑکی کے علاوہ کمرے میں ایک روشن دان بھی تھا۔ وہ ایک تو اُونچا بہت تھا، دوسرے اتنا چھوٹا تھا کہ کوئی بچّہ بھی اس میں سے مشکل سے نکل سکتا تھا، جب کہ ہمارے ابّا جان خُدا کے فضل و کرم سے بہت لمبے چوڑے ہیں۔

"کم از کم وہ اس روشن دان سے تو باہر گئے نہیں" اشفاق نے کہا۔

"تو پھر کیسے گئے؟"

"یہی تو سوچنا ہے۔ تالا بھی دروازے میں نہیں لگا ہوا کہ اسے باہر سے بھی بند کیا جا سکے، اور اندر سے بھی۔

جب ہم کھڑکی توڑ کر اندر آئے تھے تو دروازے کی چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابّا جان ضرور کمرے سے باہر اس حالت میں گئے ہیں کہ جیکاتا زندہ تھا۔ اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا ہوگا" میں نے کہا۔

"لیکن باہر کا دروازہ بھی تو بند تھا، اور گھر سے باہر نکلنے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں" آفتاب نے کہا۔

"ابھی تم یہ نہیں کہہ سکتے۔ ہم نے ابھی اس نظریے سے مکان کا جائزہ نہیں لیا" امّی جان بولیں۔

"لیکن امّی جان، تھانیدار صاحب تو جائزہ لے چکے ہیں۔"

"ہم اپنا اطمینان کر کے ہی اس نتیجے پر پہنچیں گے" میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر کا دروازہ پہلے ہی بند تھا، اس لیے ہم نے اِدھر اُدھر گھوم کر باہر نکلنے کے راستے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ گھر میں جتنی بھی کھڑکیاں تھیں، سب گھر کے اندر ہی کھلتی تھیں۔ اب ہم نے چھت کا رُخ کیا۔ اگرچہ ہم جب سے پیدا ہوئے تھے، اسی گھر میں رہ رہے تھے کہ یہ ہمارے ابّا جان کا اپنا مکان تھا۔ پھر بھی ہم نے آج تک اس خیال سے اس کا جائزہ کبھی

نہیں لیا تھا کہ باہر کا دروازہ اندر سے بند ہونے کی صورت میں گھر سے باہر کیسے نکلا جا سکتا ہے، اس لیے ہم ایسا کرنے پر مجبور تھے۔

ہم چھت پر پہنچے۔ اس کی منڈیروں پر جھک جھک کے دیکھا۔ بارش کے پانی کے لیے ایک پرنالہ مکان کے پچھلے حصے میں لگا ہوا تھا، لیکن یہ ٹین کا تھا، دوسرے وہ مدتوں پرانا ہونے کے باعث بہت کمزور بھی تھا۔ اس کے ذریعے کسی بھاری بھرکم آدمی کا نیچے اترنا ناممکن تھا۔ بلکہ وہ تو ہم میں سے کسی کا وزن بھی نہیں سہار سکتا تھا۔ اگر ہم اس قسم کی کوشش کر کے دیکھتے تو ضرور دھڑام سے پرنالے سمیت نیچے جا پڑتے۔

"اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مکان سے باہر جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔"

"تو پھر ابا جان ضرور باہر کے دروازے سے ہی باہر گئے ہوں گے۔ ان کے جانے کے بعد جیکارتا نے دروازہ اندر سے بند کیا ہوگا، اور پھر ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہوگا" اشفاق نے کہا۔

"پھر وہ مر کیسے گیا؟"

"اب یہی خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ہارٹ فیل

ہوا ہے" امی جان بولیں۔

"ہاں، ہم اس کے سوا اور سوچ بھی کیا سکتے ہیں؟"

"تو پھر.... ابا جان ضرور صبح تک واپس آ جائیں گے۔ شاید کسی بہت ضروری کام سے گئے ہوں گے۔ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ابا جان اور جیکارتا کے تعلقات کس قسم کے ہیں۔ نہ معلوم ان کے درمیان کیا گفت گو ہوئی، کیا باتیں طے ہوئیں، کس ضرورت کے تحت ابا جان کو گھر سے باہر جانا پڑا۔ یہ سب باتیں ابا جان ہی ہمیں بتائیں گے۔"

"پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ قاتل نہیں ہیں" اشفاق نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں، اور کیا" امی چہکیں۔

اور ہمارے ذہنوں سے بوجھ اترتا محسوس ہوا۔ عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"لو! شاید ابا جان آ گئے" آفتاب نے اچھل کر کہا۔

ہم جلدی جلدی نیچے اتر آئے اور باہر کے دروازے کی طرف دوڑے۔ اشفاق نے تیزی سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا:

"ابا جان! آپ.....!"

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ دروازے پر ابّا جان نہیں تھے۔ کوئی اور شخص کھڑا تھا۔ اس کی شکل صورت جیکارتا سے ملتی جلتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ دستے والا ایک لمبا سا چاقو تھا اور چہرے پر ایک بے رحم مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"میں تمھارے گھر کی تلاشی لوں گا۔ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو یہ چاقو تم سے نمٹ لے گا۔ چلو، میرے آگے آگے!" اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

ہم بدحواس ہو کر اس کے آگے آگے چلنے لگے۔ سوچ رہے تھے کہ یہ کیا نئی مصیبت نازل ہو گئی! ابھی ابّا جان کا سُراغ نہیں ملا تھا کہ یہ صاحب آ دھمکے! نہ جانے یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے! شاید جیکارتا کا ساتھی ہے!

وہ ایک ایک کمرے کی تلاشی لیتا پھر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ بیرونی دروازے کو اندر سے بند کر کے اس میں ایک عدد تالا لگا چکا تھا، اور یہ تالا اس کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔

تمام کمرے دیکھنے کے بعد وہ چھت پر پہنچا، لیکن اسے جس چیز کی تلاش تھی وہ اسے نہیں ملی۔ آخر وہ پھر

نیچے آ گیا اور ہمیں گھورتے ہوئے بولا:

"تم نے اپنے والد کو کہاں چھپا رکھا ہے؟"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر کہا۔

"میں جانتا ہوں، تمھارا باپ مکان کے اندر ہی کہیں چھپا ہوا ہے۔ جب جیکارتا تمھارے مکان میں داخل ہوا تھا، میں اس وقت سے ہی مکان کے باہر موجود رہا ہوں۔ جیکارتا سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر اسے میری مدد کی ضرورت ہو تو اشارہ کر دے۔ لیکن اس نے کوئی اشارہ نہ کیا۔ پھر پولیس گھر میں داخل ہوئی اور کسی کی لاش لے کر چلی گئی۔ میں سمجھ گیا کہ جیکارتا مارا گیا ہے۔ اس پورے عرصے میں یہ مکان میری نظروں کے سامنے رہا ہے۔ اگر تمھارا والد گھر سے نکلتا تو میں اسے ضرور دیکھ لیتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ گھر میں ہی کہیں موجود ہے۔ کہاں موجود ہے؟ یہ تم مجھے بتاؤ گے۔ جیکارتا کا انتقام لیے بغیر میں اس ملک سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

یہ لمبی چوڑی تقریر اس نے انگریزی میں کی تھی، جو کافی حد تک ہماری سمجھ میں آ گئی تھی، کیونکہ وہ خود بھی انگریزی زبان کا ماہر نہیں تھا اور اناڑی کی انگریزی اناڑی ہی سمجھ لیتے ہیں۔

ہماری حیرت کا کیا پوچھنا۔ اس وقت تک ہم بھی خیال کرتے رہے تھے کہ شاید ابا جان گھر سے باہر چلے گئے ہوں گے، لیکن اس دوسرے غیر ملکی کا بیان سن کر معلوم ہوا کہ ابا جان گھر سے باہر نہیں گئے۔ تو پھر وہ کہاں تھے؟ یہی سوال وہ ہم سے پوچھ رہا تھا۔

آخر میں نے کہا:

"دیکھو مسٹر، مجھے نہیں معلوم تمھارا کیا نام ہے اور تم کون ہو۔ اپنے ابا جان کو ہم بھی پورے مکان میں تلاش کر چکے ہیں اور انسپکٹر پولیس بھی۔ ابا جان کوئی ننھا منا سا کھلونا تو ہیں نہیں جنھیں ہم کہیں چھپا لیتے۔ ہم تو خود حیران ہیں کہ وہ کہاں چلے گئے، اور اگر تمھارے بیان کے مطابق وہ گھر سے باہر نہیں گئے تو پھر اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ انھیں ضرور کوئی ایسا علم آتا ہے جس کی مدد سے وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ تم نے ہپناٹزم کے بارے میں تو سنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس قسم کا کوئی جادو یا منتر انھیں آتا ہو۔ بہر حال، گھر تمھارے سامنے ہے۔ تلاش کر لو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اعتراض تو ہم اس وقت کریں گے جب تم انھیں تلاش کر لو گے اور انھیں کوئی نقصان پہنچانے

کی کوشش کرو گے۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ ہم ان کی جان بچانے کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں۔"

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم مجھے نہیں جانتے۔ جو لوگ مجھے جانتے ہیں، میرا نام سن کر تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔"

"تب تو تم ہمیں اپنا نام ہرگز نہ بتانا" آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں، کیوں کہ فی الحال ہمارا تھر تھر کانپنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ پہلے ہی تھر تھر کانپ چکے ہیں" اشفاق تھر تھر کانپتے ہوئے بولا۔

"بالکل۔ زیادتی کسی بھی چیز کی ہو، بُری ہوتی ہے" اخلاق بھلا کب رکنے والا تھا۔

"سنو! لوگ مجھے انڈونیشیا کا ہوا کہتے ہیں۔ میرا نام جوفیانو ہے۔ تم اپنے ملک کے کسی پولیس افسر کے سامنے یہ نام لے کر دیکھنا، وہ تھر تھر کانپنے لگے گا۔"

یہ کہہ کر وہ قہقہے لگانے لگا۔ اس کا منھ پورا کھلا ہوا تھا، اور اس وقت ہم نے دیکھا کہ اس کے سامنے کے دو دانت سونے کے ہیں۔

جوفیانو

ہماری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک ہی دن میں دو ایسے آدمیوں کو دیکھا، جن کے دانت سونے کے تھے۔ ان میں فرق تھا تو صرف اتنا کہ جیکارتا کا ایک دانت سونے کا تھا اور یہ شخص، جو اپنا نام جوفیانو بتا رہا تھا، اس کے سامنے کے دو دانت سونے کے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں تھانیدار کا تھرتھر کانپنا یاد آ رہا تھا، اور ہم سوچ رہے تھے کہ آخر یہ کیا بلا ہمارے گھر پر نازل ہوئی ہے! مزے کی بات یہ کہ ان واقعات کی تہ میں کیا راز کام کر رہا تھا، یہ ہمارے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا۔

ہم نے سونے کے ان دانتوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اتنی دیر میں جوفیانو کے قہقہے رُک چکے تھے اور سونے کے دانت ہونٹوں کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ اس کی بھاری آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی:

"میں جانتا ہوں، تمھارے والد کسی جگہ چھپ گئے ہیں۔

لیکن آخر کب تک چھپے رہیں گے۔ میں انھیں نہیں چھوڑوں گا۔ جوں ہی وہ اس جگہ سے باہر آئیں گے، میں ان تک پہنچ جاؤں گا۔ انھیں بتا دینا کہ جوفیانو جیکارتا کے مرنے کے بعد اس کے قاتل سے بدلہ لیے بغیر واپس نہیں جائے گا۔"

اس نے پھر ایک قہقہہ لگایا، سونے کے دانتوں کی ایک جھلک ہمیں دوبارہ نظر آئی اور پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

ہم ساکت کھڑے رہ گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے! ہم نے اپنی زندگی میں بہت سی حیرت انگیز، سنسنی خیز، پُراسرار اور جادوئی کہانیاں پڑھی تھیں، لیکن ہمارے ساتھ پیش آنے والے یہ واقعات ان سب کہانیوں سے زیادہ حیرت ناک تھے۔

"اب کیا کریں؟" امّی جان کو سب سے پہلے ہوش آیا۔

"ہمیں فوراً تھانیدار کو فون کر کے اسے بتا دینا چاہیے تاکہ وہ اس جوفیانو کا کچھ بندوبست کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ اِدھر ابّا جان آ جائیں اور اُدھر وہ آ دھمکے۔" میں نے تجویز پیش کی۔

"لیکن وہ بے چارہ کیا کرے گا۔ وہ تو سونے کے دانت کے بارے میں سُن کر ہی تھر تھر کانپنے لگا تھا۔" آفتاب نے کہا۔

"بہر حال، پولیس قانون کی محافظ ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اسے اطلاع دیں۔" اشفاق بولا۔

"ٹھیک ہے۔ کیجیے پھر فون۔" اخلاق بولا۔

میں نے تھانے کے نمبر ڈائل کیے۔ دُوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ "یہ وحدت آباد کا پولیس سٹیشن ہے۔ فرمائیے؟"

"تھانیدار صاحب! یہ میں ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"میں کون؟" دوسری طرف سے پُوچھا گیا۔

"میں... یعنی کہ وہ..... جس کے گھر آپ ابھی کچھ دیر پہلے آئے تھے اور ایک انڈونیشی کی لاش اُٹھا کر لے گئے تھے۔"

"اچھا! میں سمجھا۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ پوسٹ مارٹم کے بعد میں خود آؤں گا اور نئے سرے سے تفتیش کروں گا۔ آپ کے والد کی تلاش کے احکام بھی میں نے جاری کر دیے ہیں۔ انھیں ہر طرف تلاش کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ ہمیں ابھی ابھی ایک اور خیال بھی آیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"اور وہ کیا خیال ہے؟" میں نے چونک کر پُوچھا۔

"وہ یہ کہ کہیں آپ کے والد کو اغوا نہ کر لیا گیا ہو۔"

"اوہ!" میرے مُنھ سے نکلا۔

"کیوں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟"

"ہو سکتا ہے، جناب۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔ خیر، میں نے اس وقت ایک ضروری اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے۔"

"ہاں، بتائیے؟ ہم آپ لوگوں کی طرف سے ملنے والی ہر اطلاع پر کان دھریں گے۔"

"تو پھر سُنیے! آپ کے جانے کے بعد ایک اور صاحب ہمارے مکان میں داخل ہوئے تھے۔"

"کیا وہ آپ کے والد تھے؟" تھانیدار نے سوال کیا۔

"جی نہیں۔ وہ اس شخص جیکارتا کا ساتھی تھا اور اپنا نام جوفیانو بتاتا تھا۔ اس نے ہم سے پُوچھا تھا کہ ہمارے والد کہاں ہیں۔ پھر اس نے سارے مکان کی تلاشی بھی لی تھی۔"

"اوہ!" تھانیدار کے مُنھ سے نکلا۔ شاید وہ یہ سُن کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

"اور جناب، یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس کے سامنے کے دو دانت سونے کے تھے۔"

"کیا!!"

تھانیدار اتنے زور سے چلایا کہ فون کے تار بھنبھنا اُٹھے۔

تھانیدار کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ اس دفعہ وہ تقریباً دس کانسٹیبلوں کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے ان میں سے چار کو دروازے پر چھوڑا اور باقی چھ کے ساتھ اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ آتے ہی بولا:

"کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کے دو دانت سونے کے تھے؟"

"جی ہاں۔ مگر آپ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" امّی نے پُوچھا۔

"آپ لوگ نہیں جانتے۔ انڈونیشیا کا ہوّا اگر یہاں نظر آجائے تو یہ بہت خوفناک بات ہے۔ مم... مگر...." وہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"مگر کیا؟" میں نے بے چینی سے پُوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں حیران ہُوں کہ آپ کے والد کا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے!"

"آخر یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ انڈونیشیا کے بہت خطرناک لوگ ہیں۔ یہ کیا چاہتے ہیں، میں اس بارے میں کیا بتا سکتا ہُوں۔"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل چکی ہے؟" آفتاب نے پُوچھا۔

"ہاں، جیکارتا کی موت ایک زہر سے ہوئی ہے۔ زہر اس کے جسم میں ایک سُوئی کے ذریعے داخل کیا گیا تھا۔ سُوئی نہایت باریک تھی۔ ہمیں نظر نہ آسکی۔ وہ اس کے سینے میں گڑی ہوئی تھی۔"

"خُدا جانے کیا چکّر ہے۔ جوفیانو ابّا جان کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے، اور ابّا جان نہ جانے کہاں ہیں۔ اگر وہ آگئے اور اُوپر سے جوفیانو بھی آگیا تو کیا ہوگا!"

"یہی تو اُلجھن ہے" تھانیدار نے مُنھ بنا کر کہا۔

"اگر ابّا جان جیکارتا کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو کیا جوفیانو کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟" میرے مُنھ سے نکلا۔

"میں خود حیران ہُوں کہ اُنھوں نے جیکارتا کے سینے میں زہریلی سُوئی کس طرح اُتار دی۔ یہ لوگ تو وہ ہیں..." تھانیدار کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"کہیے کہیے۔ آپ رک کیوں گئے؟ آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا جانتے ہیں" امّی جان نے جلدی سے کہا۔

"نہیں۔ میں آپ لوگوں کو کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"ایک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جوفیانو نے ہمیں کیوں کچھ نہیں کہا! حالانکہ وہ ہم پر سختی کر سکتا تھا۔"

"سونے کے دانت والے صرف اسی شخص کو اپنا نشانہ بناتے ہیں جس سے انھیں دشمنی ہوتی ہے۔ اس کے بیوی بچوں یا رشتے داروں کو وہ کچھ نہیں کہتے۔"

"تب تو یہ بہت شریف دشمن ہیں" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن جس کے یہ دشمن ہو جاتے ہیں، اسے ہر طرف موت ہی موت نظر آتی ہے" تھانیدار نے کہا۔

"لیکن ہمارے ابا جان نے تو کبھی ذکر نہیں کیا کہ انھیں ہر طرف موت ہی موت دکھائی دیتی ہے" اشفاق نے حیران ہو کر کہا۔

"میں خود بھی اس بات پر حیران ہوں۔ ویسے، کیا آپ کے والد کبھی انڈونیشیا بھی گئے ہیں؟"

"کم از کم ہمیں تو معلوم نہیں۔ شاید ہم سے پہلے گئے ہوں۔ امی اس بات کا جواب دے سکتی ہیں" میں نے کہا۔

"جی نہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے، وہ کبھی انڈونیشیا نہیں گئے۔ اگر گئے ہوتے تو کبھی تو مجھ سے ذکر کرتے" امی نے جواب دیا۔

"ہوں! معاملہ حد درجے اُلجھا ہوا اور پُر اسرار ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں" تھانیدار نے انگلیوں سے

پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تو پھر ہماری تو کیا آئے گی" اخلاق نے مایوسی سے شانے اُچکائے۔

"خیر، اب میں چلتا ہوں۔ اگر آپ کے والد واپس آ جائیں تو فوراً مجھے اطلاع دیں، اور انھیں یہ بتا دیں کہ ڈراکولا کا ایک ساتھی ان کی تاک میں ہے۔"

"جاتے جاتے ایک بات بتاتے جایئے۔ کیا ابا جان پر قتل کا مقدمہ چلے گا؟"

"جب بھی کوئی آدمی مارا جاتا ہے، اور اس کا قاتل پکڑا جاتا ہے تو اس پر مقدمہ ضرور چلتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ بے گناہ ثابت ہو جائے اور عدالت اسے بری کر دے۔"

"اوہ!" ہمارے منہ سے نکلا۔

تھانیدار جانے کے لیے مڑا۔ اس کے ساتھ آنے والے کانسٹیبل بھی اس کے پیچھے چلے۔ لیکن اچانک ان کے اٹھتے قدم رُک گئے، کیونکہ اسی وقت دروازہ کھلا تھا!

دوسرے ہی لمحے ہم نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ تھانیدار اور اس کے ساتھی تھر تھر کانپ رہے تھے۔ دروازے میں، ان کے سامنے، جو دیانو کھڑا تھا۔ ایک

اکیلے جوفیانو کے مقابلے میں وہ سات تھے۔ اس کے باوجود وہ تھرتھر کانپ رہے تھے! حالانکہ جوفیانو کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔ اس وقت انہیں خیال آیا کہ نہ جانے ان چار کانسٹیبلوں پر کیا بیتی ہوگی جنھیں تھانیدار صاحب دروازے پر چھوڑ آئے تھے!

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

"میرا خیال ہے، تم مجھے جانتے ہو۔ اگر نہیں جانتے تو سنو! میرا نام جوفیانو ہے۔ لوگ مجھے انڈونیشیا کا ہوا بھی کہتے ہیں۔ دُنیا بھر کی پولیس میرے نام سے واقف ہے۔ میں تم میں سے کسی کو کچھ نہیں کہوں گا۔ بس مجھے یہ بتا دو کہ تم نے مشتاق احمد خان کو کہاں چھپایا ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو، اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

تھانیدار کے مُنھ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اسے تھرتھر کانپنے سے فرصت ملتی تو کچھ بولتا بھی۔ کانسٹیبلوں کا حال تو اس سے بھی بُرا تھا۔ جوفیانو ان کے خاموش رہنے پر بولا:

"بتا دو وہ کہاں ہے؟ میں جانتا ہوں، وہ اس گھر میں ہی کہیں ہے، کیونکہ میں نے اسے گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔"

"ہم خود انھیں تلاش کر رہے ہیں۔ یقین کرو ہمیں نہیں

معلوم کہ مشتاق احمد خان کہاں ہیں۔ ہم تو اس مکان کا چپا چپا چھان چکے ہیں۔"

"مجھے خود بھی حیران ہوں! آخر وہ کس جگہ چھپا ہے۔ اچھا خیر پہلے تم میں سے دو آدمی جا کر اپنے بے ہوش ساتھیوں کو اٹھا کر اندر لے آئیں اس کے بعد میں تم لوگوں سے بات کروں گا۔"

تھانیدار چونک اٹھا۔ پھر اس نے دو کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا۔ وہ باہر چلے گئے۔ دروازہ کھلا تھا۔

"تم نے اپنے آدمیوں سے کہا نہیں کہ وہ بھاگنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ اس کا انجام موت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔"

"میں نے انھیں اپنے ساتھیوں کو اندر لانے کا اشارہ کیا ہے اور میرے حکم کی تعمیل کریں گے۔" تھانیدار نے کہا۔ اب اس نے اپنی حالت پر کسی قدر قابو پایا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ہم سب کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ جوفیانو کے چہرے پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ اچانک اس کے ہونٹ ہلنے لگے:

"مشتاق احمد خان! میں جانتا ہوں، تم اسی مکان میں موجود ہو۔ تم میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکو گے۔ کیوں

اپنے بیوی بچوں کو پریشان کرتے ہو۔ سیدھی طرح میرے سامنے آ جاؤ۔"

اس نے یہ الفاظ کمرے کی دیوار کی طرف منہ کر کے کہے اور ہمیں یوں لگا جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔ وہاں ابا جان کہاں تھے، جو وہ ان سے مخاطب تھا۔ دوسری طرف ہمیں اس بات پر بھی حیرت تھی کہ تھانیدار اور اس کے ساتھیوں کی ہمت کو کیا ہوا! وہ پتھر کے بتوں کی طرح جوفیانو کے سامنے بیٹھے تھے۔ اس طرح جیسے اس کے غلام ہوں۔ آخر کیوں تھانیدار اپنا پستول نکال کر جوفیانو پر قابو نہیں پا لیتا!

"جہاں تک میرا خیال ہے، مشتاق احمد خان اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں" تھانیدار نے کہا۔

"کیا کہتے ہو؟ جیکارتا اس کمرے میں مرا ہے۔ مشتاق احمد خان کے سوا اسے کسی نے نہیں مارا، اور اس وقت سے دروازے پر میری نظر رہی ہے۔ اگر وہ باہر نکلا ہوتا تو میں اسے ضرور دیکھ لیتا، اور پھر گھر کے لوگ خود اس بات پر حیران ہیں کہ دروازے اندر سے بند ہوتے ہوئے وہ باہر کیسے چلا گیا۔ دراصل وہ گھر سے باہر گیا ہی نہیں۔ وہ یہیں ہے۔"

"تو پھر ڈھونڈ لیجیے۔ ہم تو تھک چکے ہیں، انھیں اس مکان میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر" تھانیدار بولا۔

اُدھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور اِدھر میں سوچ رہا تھا کہ یہ تھانیدار کچھ نہیں کرے گا، اور مجرم یونہی دندناتا رہے گا۔ کیوں نہ کوئی کام دکھاؤں۔

آخر میں نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا۔ جوفیانو تھانیدار سے باتوں میں مصروف تھا۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب میں ایک ایک انچ کرکے جوفیانو کی کمر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک دم جوفیانو کے سر پر گلدان دے ماروں گا، گل دان جوفیانو کی کمر کے پیچھے کارنس پر رکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جونہی جوفیانو پر قابو پا لیا گیا، ابا جان جہاں کہیں چھپے ہوئے ہیں، فوراً نکل آئیں گے۔

آخر میں آتش دان تک پہنچ گیا۔ جوفیانو تھانیدار سے گفت گو میں مصروف تھا۔ اس کی توجہ میری طرف نہیں گئی۔ میں حیران تھا کہ اس شخص سے تھانیدار اور اس کے ساتھی تھر تھر کانپ رہے تھے جسے میرے اُٹھنے تک کا پتا نہ چلا۔

پھر جُوں ہی میرا ہاتھ کارنس کی طرف بڑھا، گل دان اپنی جگہ سے اُچھلا اور چھت سے ٹکراتا ہوا فرش پر جا گرا۔ کمرے میں بارود کی بُو پھیل گئی تھی۔

میں حیرت زدہ رہ گیا۔ دوسروں کا بھی مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ سب حیران تھے کہ آخر یہ کیسے ہو گیا!

اسی وقت ہم نے جوفیانو کی آواز سُنی:

"واپس اپنی جگہ پر آ جاؤ، لڑکے! تم مجھ سے واقف نہیں، ورنہ ایسی غلطی ہرگز نہ کرتے!"

ہم سب کے مُنھ فق تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ جوفیانو نے فائر کیا تھا۔ مگر کیسے؟ اس کا مُنھ تو دوسری طرف تھا۔ اس نے تو مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے گل دان پر فائر کیسے کر دیا؟ اس سوال کا جواب میرے پاس ہی کیا، کسی کے پاس بھی نہ تھا۔ اچانک ہم چونک اُٹھے۔ جوفیانو کہہ رہا تھا:

"تھانیدار صاحب! مجھے آپ سے یا ان لوگوں سے کوئی غرض نہیں۔ میں کسی کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا، ورنہ اس وقت گولی گل دان کے بجائے اس لڑکے کے بھی لگ سکتی تھی۔ یہ میرے لیے اتنا ہی آسان تھا جتنا گل دان کو اُڑانا۔ اب آپ لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا

کہ میں اپنے پیچھے بھی دیکھ سکتا ہوں اور بلے بجلے بغیر کسی طرف بھی فائر کر سکتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی آپ میں سے کوئی مجھ پر فائر کرے گا تو میرے بجائے گولی آپ میں سے کسی کے تو لگ سکتی ہے، مجھے نہیں۔ اس لئے کوئی حرکت یا شرارت کرنے کی کوشش بے سود ہوگی۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مشتاق احمد خان کو میرے حوالے کر دیں، یا مجھے اتنا بتا دیں کہ اسے کہاں چھپایا گیا ہے؟"

"یقین جانیے، ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں۔ مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کی مشتاق احمد خان سے دشمنی کیا ہے؟" تھانیدار نے اس کی نرم گفت گو سے حوصلہ پاکر کہا۔

"یہ بہت لمبی داستان ہے، جسے دہرانے کا میرے پاس وقت نہیں۔"

"پھر آپ خود ہی بتائیں، ہم کیا کر سکتے ہیں؟" تھانیدار نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آخر وہ کب تک چھپا رہے گا۔ اپنے بیوی بچوں کے سامنے تو اسے آنا ہی پڑے گا۔ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلوں گا جب تک وہ میرے سامنے نہ آ جائے۔ میں اور میرا ساتھی اس ملک میں

باقاعدہ پاسپورٹ کے ذریعے داخل ہوئے ہیں۔ میرا ساتھی مارا گیا ہے۔ میں اسے کیسے بھول جاؤں۔ آپ اور آپ کی حکومت کو چاہیے کہ قاتل کو گرفتار کریں۔ میری نگرانی تو کی جا سکتی ہے، لیکن بغیر کسی وجہ کے مجھے گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے میں اس مکان کے آس پاس سانے کی طرح منڈلاتا رہوں گا۔"

"لیکن مشتاق احمد خان کے گھر کے لوگ آپ کے خلاف رپورٹ درج کرا سکتے ہیں۔" تھانیدار نے اعتراض کیا۔

"رپورٹ.... کیسی رپورٹ؟ انھیں تو اپنے والد کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرانی چاہیے۔" یہ کہہ کر جوفیانو ہنسا تو اس کے سونے کے دانتوں کی چمک ہماری آنکھوں میں لہرائی۔

اس کے ساتھ ہی وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ہم سب اس طرح کرسیوں پر بیٹھے رہ گئے جیسے پتھر کے بتوں میں تبدیل ہو گئے ہوں، جیسے وہ کوئی جادوگر تھا اور اپنے جادو کے زور سے ہمیں اس کمرے میں ساکت کر گیا تھا۔ پھر نہ جانے کتنے لمحے گزر گئے۔ اگر تھانیدار کی آواز ہمارے کانوں سے نہ ٹکراتی تو ہم جانے کب تک اس طرح بیٹھے رہتے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اُف! یہ سب کیا ہے! میں جوفیانو کو کس الزام میں گرفتار کروں؟"

"اب ہم کیا کریں؟" امّی جان نے ایک لمبا سانس بھر کر کہا۔

"آپ لوگ دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند رکھیں۔ اگرچہ جوفیانو کے سامنے مضبوط سے مضبوط دروازے اور کھڑکیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، پھر بھی جو ہم کر سکتے ہیں، کرنا چاہیئے۔ اگر مشتاق صاحب واپس آجائیں تو فوراً مجھے فون کر دیں۔ اس کے علاوہ میں یہ معاملہ افسرِ بالا کے سامنے بھی رکھوں گا۔ شاید وہ جوفیانو کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیں اور شہر کی پولیس حرکت میں آجائے۔"

تھانیدار ان الفاظ کے ساتھ ہی جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہم سب اسے چھوڑنے کے لیے دروازے تک گئے اور جب واپس آئے تو اتنے زور سے اُچھلے جیسے کسی اَن دیکھی طاقت نے ہمیں ہوا میں اُچھال دیا ہو۔ ہماری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُوپر کے سانس اُوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔

میز سے کھانے کی تمام چیزیں غائب تھیں! یہ چیزیں

امّی جان نے تھانیدار اور اُس کے ساتھیوں کے سامنے رکھی تھیں، لیکن اُنھوں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ چیزیں ٹرے سمیت غائب تھیں۔ اور ہمارا یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں!

ننگے پاؤں

"کہیں ہم کسی ایسی چکر میں تو نہیں پھنس گئے؟" امّی جان نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"جی، لگتا تو ایسا ہی ہے۔ آخر وہ سب چیزیں ٹرے سمیت کہاں غائب ہو گئیں؟" میرے منہ سے نکلا۔

"کیا بات کرتے ہیں۔ اس بیسویں صدی میں جن بھوت کہاں؟" اخلاق نے ہنس کر کہا۔

"تو پھر یہ ضرور کوئی رُوح ہوگی۔" آفتاب کو کپکپی محسوس ہونے لگی۔

"اب کیا کریں؟ کیا پھر تھانیدار صاحب کو فون کریں؟" میں نے پُوچھا۔

"وہ بے چارے تو ابھی تک تھانے پہنچے بھی نہیں ہوں گے" امّی نے کہا۔

"یا اللہ! یہ بیٹھے بٹھائے ہم کس مُصیبت میں پھنس گئے! جیکارتا کے آنے سے پہلے اس گھر کی فضا کس قدر پُرسکون تھی، اور اب تو یُوں لگتا ہے جیسے سکون کا

ہمارے گھر میں کبھی گزر ہی نہیں ہوا" اشفاق نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں سو جانا چاہیے۔ صبح اُٹھیں گے تو تازہ دم ہوں گے۔ اس وقت ضرور کوئی کام کی بات ذہن میں آ جائے گی۔"

"اور کل شہر میں ابّا جان کو بھی تلاش کریں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے کسی دوست کے گھر چلے گئے ہوں" اشفاق نے کہا۔

"کبھی تو کوئی عقل کی بات کر لیا کرو" میں جھلا اُٹھا۔

"کیوں، میں نے کیا بے وقوفی کی بات کی؟"

"جب گھر کا دروازہ ہی اندر سے بند تھا تو شہر میں ابّا جان کو کیوں تلاش کریں گے؟ جوفیانو بھی یہی کہتا ہے کہ اس نے ابّا جان کو گھر سے باہر نکلتے نہیں دیکھا۔ اس صورت میں ہمارا شہر میں ابّا جان کو ڈھونڈنا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے؟"

"ہُوں، بات تو ٹھیک ہے۔ تو پھر صبح ہم ابّا جان کو اپنے گھر میں ہی تلاش کریں گے" اشفاق نے جلدی سے کہا۔

"گھر میں تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ نہ صرف ہم، بلکہ تھانیدار اور جوفیانو بھی تلاش کر چکا ہے۔ اگر وہ گھر

میں ہوتے تو مل نہ جاتے ؟" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے، ضرور۔ کوئی ایسی بات ہے، جسے ہم نظر انداز کر رہے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ضرور یہ بات معلوم کر سکتے ہیں کہ ابا جان کہاں ہیں" آفتاب نے ایک نئی بات کہی، اور ہم اسے گھورنے لگے۔

"کیا مطلب ؟" امّی جان نے تیز آواز میں پوچھا۔

"جیکارتا کی لاش کو دیکھ کر ہم گھبرا گئے تھے۔ ہم نے موقع کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ کمرا ابھی تک بموں کا توں موجود ہے۔ صرف اس میں سے لاش اٹھائی گئی ہے۔ اگر ہم نئے سرے سے کمرے کا جائزہ لیں تو ضرور کوئی بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں" آفتاب نے بتایا۔

"کیا ہم تھانیدار سے زیادہ تجربہ کار ہیں ؟" اخلاق نے تنک کر کہا۔

"نہیں، لیکن انسان سے چوک بھی تو ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے، تھانیدار کسی اہم چیز کو نظر انداز کر گیا ہو" آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

"اور جو فیانو بھی !" اشفاق نے اس کا مذاق اڑایا۔

"رہنے دو اپنی جاسوسی کو" امّی جان نے منہ بنایا۔

دراصل آفتاب کو جاسوسی ناول پڑھنے کا جنون ہے۔

وہ ہر معاملے کو جاسوس کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس نے ہماری باتوں کو نظر انداز کر کے کمرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ سوچے سمجھے بغیر میں بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں نظریں دوڑانے لگا۔ فرش پر بلب کے ٹکڑے ابھی تک جوں کے توں پڑے تھے۔ آفتاب کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے وہ کوئی بہت ماہر سُراغ رساں ہو۔ بلب کے ٹکڑوں پر رینگتی ہوئی اس کی نظریں ایک جوتے پر پڑیں۔ یہ جیکارتا کا جوتا تھا۔ دوسرا جوتا کمرے کے کونے میں پڑا تھا۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ جیکارتا نے جوتے کیوں اتارے تھے ! اگر اس نے نہیں اتارے تھے تو پھر ابا جان نے اتارے ہوں گے مگر کیوں ؟ انھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ جوتے کے بعد آفتاب کے ساتھ ساتھ ہماری نظریں بڑی میز کے پیچھے پڑے ہوائی چپلوں پر پڑیں۔ یہ ابا جان کے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آفتاب کو نہ جانے کیا خیال آیا، وہ ایک دم اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔

"ارے ! اسے کیا ہو گیا ہے !" امّی جان نے حیران ہو کر کہا۔

"اسے جاسوسی ہو گئی ہے" میں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"چلو، چل کر آرام کریں۔ اسے کرنے دو اپنی جاسوسی" اشفاق بولا۔

"لیکن ایسے میں نیند کسے آئے گی۔ ابا جان گم ہیں، ہم سب ان کے لیے پریشان ہیں، پولیس ابھی ابھی ہمارے گھر سے ایک غیر ملکی کی لاش اٹھا کر لے گئی ہے۔ صبح نہ جانے پولیس والے ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں! ہو سکتا ہے ...." میں کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟ تمھاری گاڑی اٹک کیوں جاتی ہے؟" امی بھلا کر بولیں۔

"دراصل میرے دماغ میں ایک بالکل نیا خیال آ گیا تھا۔ صبح کا سورج ہمارے لیے نئی پریشانیاں لے کر آنے والا ہے!"

"وہ کیسے؟" امی نے گھبرا کر پوچھا۔

"تھانیدار نے اس وقت تو کچھ نہیں کہا، لیکن رات کو وہ اس معاملے پر غور کرے گا، اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرے گا اور پھر یہاں آئے گا۔ جانتی ہیں آپ، وہ یہاں آ کر کیا کہے گا؟"

"بھلا میں کیسے بتا سکتی ہوں۔ یہ تو وہی جانتا ہوگا کہ یہاں آ کر کیا کہے گا۔"

"لیکن میں جان گیا ہوں۔ سنیے! وہ کہے گا، صاف صاف بتائیے، آپ لوگوں نے اپنے ابا جان کو کہاں چھپایا ہے، کہاں فرار ہونے میں مدد دی ہے؟"

"کیا مطلب، میں بھی نہیں، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" امی جان نے حیران ہو کر کہا۔

"میں واضح کرتا ہوں۔ وہ آ کر یہی کہے گا کہ قتل کی اس واردات میں ہم سب شامل ہیں۔ ہم نے ابا جان کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر پولیس کو فون کر دیا۔ وہ اس بات کو سراسر کہانی کہے گا کہ دروازے اندر سے بند تھے اور ہمارے ابا جان غائب تھے۔"

"اوہ! لیکن جوفیانو کا بیان کہ اس نے تمھارے ابا جان کو گھر سے نکلتے نہیں دیکھا؟"

"وہ کہہ سکتا ہے کہ ابا جان جوفیانو کی نظر بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے۔"

"اوہ!" امی کے منھ سے نکلا۔

"اور اس کے بعد ہو سکتا ہے وہ ہم سب کو گرفتار کرے!"

"گرفتار کرے؟ ہیں! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ وہ ہمیں ابا جان کی

مدد کرنے کے جُرم میں گرفتار کر سکتا ہے۔"

"لیکن ہم نے تو ان کی کوئی مدد نہیں کی" اخلاق نے کہا۔

"وہ ہماری بات پر یقین نہیں کرے گا۔"

سب پر جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا۔ کسی کے مُنہ سے کچھ نہ نکلا۔ نہ جانے کب تک ہم یونہی بیٹھے رہے۔ پھر آفتاب کی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرائی:

"یہ بات اب ثابت ہو گئی ہے کہ ابّا جان گھر سے باہر نہیں گئے!"

ہم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جوش کی کیفیت طاری تھی۔

"کیا مطلب، یہ کس بات سے ثابت ہوتا ہے، تم کہاں گئے تھے؟" میں نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"ابّا جان کے ہوائی چپل ڈرائنگ روم میں موجود ہیں۔ جب ہم شام کی سیر کے بعد گھر آئے تھے اور ڈرائنگ روم میں ہم نے جیکارتا کو بیٹھے دیکھا تھا۔ اس وقت ابّا جان یہی ہوائی چپل پہنے ہوئے تھے۔ اب کہ ہوائی چپل یہاں موجود ہیں، تو صاف ظاہر ہے کہ وہ گھر سے باہر نہیں

نہیں جا سکتے تھے" آفتاب نے بتایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ وہ ہوائی چپل پہن کر باہر کیوں جانے لگے؟ باہر جانے سے پہلے انھوں نے ضرور جُوتے پہنے ہوں گے" امّی جان نے اعتراض کیا۔

"اس صورت میں ہوائی چپل اس جگہ موجود ہونے چاہییں تھے، جس جگہ جوتوں کے جوڑے رکھے رہتے ہیں، یعنی جوتوں کی الماری کے آس پاس۔ لیکن ہوائی چپل تو ڈرائنگ روم میں موجود ہیں!"

پھر بھی، اس سے ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ گھر سے باہر نہیں گئے۔ ہو سکتا ہے، ڈرائنگ روم سے انھیں بدحواسی کے عالم میں ننگے پاؤں بھاگنا پڑا ہو" میں نے کہا۔

"اور انھوں نے اپنے کمرے میں جا کر جُوتے پہنے ہوں۔ یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟" آفتاب مُسکرایا۔

"ہاں، بالکل!"

تو پھر سُنیے! ابّا جان کے جُوتوں کے تمام جوڑے الماری میں موجود ہیں۔ میں جوتوں کے جوڑے ہی چیک کرنے گیا تھا۔"

"اوہ!" اخلاق کے مُنہ سے نکلا۔

ہم اب واقعی حیران ہو گئے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ

ابا جان گھر سے باہر نہیں گئے، اور اگر گئے تو ننگے پاؤں
لیکن یہ ناممکن تھا۔ ابا جان ہرگز ننگے باہر جانے والے نہیں

ابھی ہم سوچ میں گم ہی تھے کہ اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ ہوئی۔ ہمارے دل دھک دھک کرنے لگے، کیونکہ باہر کا دروازہ تو ہم تھانیدار کے جانے کے بعد بند کر چکے تھے۔ پھر یہ کون تھا جو ڈرائنگ روم کی طرف آ رہا تھا۔ ہم سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس قدر حیران کن واقعات ہماری زندگی میں کبھی رُونما نہیں ہوئے تھے۔ ہمیں ایک بار پھر یہ محسوس ہونے لگا کہ ہم کسی آسیبی چکر میں پھنس گئے ہیں، یا کسی جادوئی دیس میں پہنچ گئے ہیں۔

آنے والا ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ ہم نے اسے دیکھا اور بھونچکا رہ گئے!

مقابلہ

آج جب ہم اس داستان کو بیان کرنے بیٹھے ہیں، ہمیں ایک لمحہ یاد آ رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ ابھی کی بات ہو۔ حالانکہ پانچ سال گزر چکے ہیں۔ ہم نے اپنی زندگی میں اس وقت تک ہزاروں کہانیاں پڑھی ہوں گی لیکن یقین جانیے کسی کہانی، کسی واقعے اور کسی فلم نے ہمیں اتنا حیران نہیں کیا جتنا ہم اس واقعے کے دوران ہوئے جو ہم پر گزرا۔

آپ جو یہ کہانی پڑھ رہے ہیں، شاید ہماری صحیح کیفیت کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ یہ تو اسی وقت ممکن ہے جب آپ بھی اس قسم کے عجیب و غریب حالات کا شکار ہو جائیں (خدا نہ کرے)۔

ہاں تو ہم نے دروازے کی طرف دیکھا اور بھونچکے رہ گئے، کیوں کہ وہاں ایک بار پھر جوزیانو کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔ ہم ساکت و صامت اسے دیکھتے رہ گئے۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے:

"میں نے تمہاری سب باتیں سُن لی ہیں۔ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تمہارے والد گھر میں ہی کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے تو خیر پہلے ہی یقین تھا۔ اب میں یہیں ڈرائنگ روم میں موجود رہوں گا۔ تم لوگ اپنے کمروں میں جاکر آرام کر سکتے ہو۔ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"لیکن... لیکن... تم ڈرائنگ روم میں کیا کرو گے؟" اقبال جان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"جیکارتا کی لاش اس کمرے میں پڑی تھی، اس طرح کہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس لیے میں بھی اسی کمرے میں موجود رہنا پسند کروں گا۔" یہ کہتے وقت وہ مسکرایا۔

"مم.... مگر... تم اندر کیسے آ گئے؟ دروازہ تو بند تھا اور ہم نے اس کے کھلنے کی آواز نہیں سُنی۔" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"تم لوگ شاید تھانیدار کے الفاظ بھول گئے۔ دروازے اور کھڑکیاں میرا راستہ نہیں روک سکتے۔ اس وقت میں نے ایک کھڑکی کو ہاتھ لگا دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ قائم نہ رہ سکی تو اس میں میرا کیا قصور؟"

"نہیں!" ہم چلّا اُٹھے اور باہر کی طرف بھاگے۔

گلی میں کھلنے والی کھڑکی کی چوکھٹ اپنی جگہ سے اُکھڑی ہوئی تھی۔ پلستر کے ٹکڑے فرش پر پڑے تھے۔ ہماری آنکھیں حیرت کی کھلی رہ گئیں۔ آخر یہ کیسے ممکن تھا! اس آدمی میں کس قدر طاقت تھی! ہم واپس ڈرائنگ روم کے دروازے پر آئے تو وہ اندر سے بند تھا۔ ہم نے جوفیانو کی آواز سُنی "اب تم لوگ جاؤ۔ میں آرام کروں گا۔"

ہمارے مُنہ ٹنگ گئے۔ ہم اقبال جان والے کمرے میں گئے اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"اب کیا کریں؟"

"اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں کہ ایک بار پھر تھانیدار صاحب کو فون کر کے نئی صورتِ حال کی خبر دیں۔"

"وہ بے چارہ تو گھر جاکر سو بھی گیا ہوگا" امّی بولیں۔

"جی ہاں، لیکن وہ ہمیں گھر کا نمبر دے گئے تھے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ کرو فون۔"

میں نے اشفاق کو اشارہ کیا۔ اس نے تھانیدار کے گھر کے نمبر کاغذ پر سے پڑھ کر ڈائل کیے۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی۔ آخر آدھ منٹ بعد کسی نے ریسیور میں بلند آواز سے کہا

"ہیلو! میں ایچ خانی بول رہا ہوں۔"

"جناب عثمانی صاحب، میں اشفاق ہوں" اشفاق نے گڑبڑا کر کہا۔

"اشفاق، کون اشفاق؟" نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"آپ بھول گئے؟ میں وہی اشفاق ہوں جس کے گھر سے آج ایک انڈونیشی کی لاش ملی تھی۔"

"اوہ! اب کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا، جناب۔ مسٹر جوفیانو ہمارے گھر کی کھڑکی توڑ کر اندر آ گھسے ہیں۔ اور انھوں نے خود کو ڈرائنگ روم میں بند کر لیا ہے۔ ہم سے کہا ہے کہ آرام کریں۔ آپ کو اطلاع دینا ہمارا فرض تھا۔ اس لیے فون کیا ہے۔"

"اوہ!" تھانیدار کے منہ سے نکلا۔

"ویسے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ابا جان گھر میں ہی کہیں موجود ہیں" اشفاق نے کہا۔

"یہ بات کس طرح ثابت ہوئی؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

اشفاق نے تھانیدار کو ہوائی چپل اور جوتوں کے جوڑوں کے بارے میں بتایا۔ یہ بھی بتایا کہ آفتاب نے یہ بات معلوم کی تھی اور جب وہ ہمیں بتا رہا تھا تو جوفیانو نے سن لیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور بے فکر ہو کر سو جاؤ۔ میں صبح آ کر اس سے بات کروں گا۔"

"آخر آپ اسے گرفتار کیوں نہیں کر لیتے؟"

"ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ جوفیانو ہے۔ پاسپورٹ پر اس کا دوسرا نام لکھا ہے۔ میں نے معلوم کرایا تھا۔ ان حالات میں جب کہ وہ ایک انڈونیشی کی حیثیت سے ملک میں داخل ہوا ہے اور اس کے پاس اصلی پاسپورٹ بھی ہے۔ ہم کیسے اسے گرفتار کر سکتے ہیں؟ ہاں، اس سے کوئی جرم سرزد ہو تو ضرور ایسا کر سکتے ہیں۔"

"تو جناب، جرم تو اس سے سرزد ہو چکا ہے" اشفاق نے کہا، اور تھانیدار کے ساتھ ہم بھی چونک اٹھے۔

"کیا مطلب، اس نے کیا جرم کیا ہے؟"

"تھانیدار صاحب، شاید آپ نیند میں ہیں۔ کیا کسی کے گھر کی کھڑکی اکھاڑ کر زبردستی اندر گھس آنا قانونی بات ہے؟"

"اوہ! تم ٹھیک کہتے ہو" تھانیدار نے کہا۔

"تو پھر آئیے، اور اسے گرفتار کر لیجیے" اشفاق نے کہا۔

"تم نہیں جانتے۔ اسے گرفتار کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس کے لیے انتظامات کرنا ہوں گے۔"

"کچھ بھی ہو، آپ کو اسے فوراً گرفتار کر لینا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔ آپ لوگ اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھے رہیں۔"

لیکن ہم نے تھانیدار کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔ ہم کمرے
میں بند ہو کر کس طرح بیٹھ سکتے تھے۔ آفتاب نے کہا "کیا
نہ تھانیدار کے آنے سے پہلے ہم جوفیانو کو گرفتار کر لیں؟"

"وہ کیسے؟ ہم اتنے بڑے اور مشہور مجرم کو کس طرح
گرفتار کر سکتے ہیں؟" میں نے کہا۔

"کر کیوں نہیں سکتے۔ انسان چاہے تو کیا نہیں کر سکتا"
آفتاب سینہ تان کر بولا "ہمیں احساس کمتری میں مبتلا نہیں
ہونا چاہیے۔ ہم بھی اس آدمی کے بیٹے ہیں جس نے
کے ایک ساتھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔"

"دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے
ہو تو پوری احتیاط سے کرنا" امّی جان نے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں۔ ہم اپنے سکول کے مانے ہوئے
کھلاڑی ہیں۔ جوفیانو کو ایک بار تو ٹنگی کا ناچ نچا دیں گے
وہ بھی کیا یاد کرے گا کہ پاکستانی بچوں سے ملاقات ہوئی
تھی" اشفاق بولا۔

"پھر بھی وہ بہت خطرناک ہے اور اس کا تجربہ تم
ہو ہی چکا ہے" امّی نے جواب دیا۔

"آپ دیکھتی جائیے۔ البتہ آپ کمرے سے باہر نہیں۔ نہ
نہ آئیں" میں نے کہا، اور ہم چاروں اپنے کمرے میں آ گئے

تیاری مکمل کرنے کے بعد ہم پھر امّی جان کے پاس گئے
اور انھیں بتایا کہ ہم تیار ہو کر جا رہے ہیں۔ انھوں نے
ہمیں ڈرتے ہیں اجازت دے دی۔

ہم ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچ گئے۔ آفتاب
نے آگے بڑھ کر پہلے تالے کے سوراخ میں سے اندر
جھانکا اور ہمیں اشارے سے بتایا کہ جوفیانو کمرے میں
ٹہلتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا ہے۔

میں نے اسے اشاروں میں کہا کہ تالے کے سوراخ
سے کان لگا کر سننے کی کوشش کرے کہ وہ کیا بڑبڑا
رہا ہے۔ اس نے کان سوراخ سے لگا دیا، کچھ دیر غور
سے سنتا رہا، پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور میرے کان سے
منہ لگا کر کہنے لگا:

"جوفیانو کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ کی شکل میں جو الفاظ
نکل رہے ہیں، یہ ہیں: مشتاق احمد خان.... میں جانتا
ہوں تم یہیں... اسی ڈرائنگ روم میں کسی جگہ چھپے
ہوئے ہو۔ یقین جانو، میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم میرے
ہاتھ سے بچ نہیں سکو گے۔"

میں نے اشفاق اور اخلاق کو یہ بات بتائی اور پھر
آفتاب کو اشارہ کیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

ساتھ ہی میں نے تالے کے سوراخ سے ... جھانکا۔ میں نے دیکھا، جوفیانو دستک کی آواز سُن کر چونک اُٹھا تھا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔

دروازہ کھلتے ہی جوفیانو کی نظر ہم چاروں پر پڑی، اور وہ حیرت زدہ رہ گیا، کیونکہ اس وقت ہمارا حلیہ عجیب و غریب تھا۔ میرے ہاتھ میں ہاکی تھی، اشفاق کے ہاتھ میں کرکٹ کا بلّا، آفتاب کے ہاتھ میں بید کی ایک موٹی سی چھڑی اور اخلاق کے ہاتھ میں نائیلون کے پھندے میں کرکٹ کی گیند لٹک رہی تھی۔ پھندے کا دوسرا سرا اس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ یہی نہیں، ہم چاروں کے پاؤں میں جو جُوتے تھے اُن کے تلوں میں لوہے کی کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ہم نے ان ہتھیاروں کا اِنتخاب اپنی اپنی مہارت کے حساب سے کیا تھا۔ میں ہاکی کا ماہر ہوں، اشفاق کرکٹ کا بہترین بیٹس مین ہے، آفتاب بید کی چھڑی کو تلوار کے انداز میں گھمانے پر قدرت رکھتا ہے اور اخلاق ایک بہت ہی تیز باؤلر ہے۔ ان ہتھیاروں کے ساتھ ہمارے سروں پر ربڑ کی ٹوپیاں بھی تھیں جو ہم نے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے کے لیے بنا رکھی ہیں۔ لیکن آج ہم نے ٹوپیاں سروں

کی حفاظت کے لیے پہنی تھیں۔

جوفیانو نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں اور پھر بولا "یہ سب کیا ہے؟"

"مقابلہ!" آفتاب نے ہاتھ کا مکّا ہوا میں لہرایا۔

"مقابلہ، کیا مطلب؟" جوفیانو نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"مطلب یہ کہ تم ہمارے والد کے دُشمن ہو، اس لیے ہمارے بھی دُشمن ہوئے۔ ابّا جان آئیں گے تو ظاہر ہے کہ انھیں تم سے مُقابلہ کرنا پڑے گا۔ ہم نے سوچا کیوں نہ ان سے پہلے ہم تمھارے مقابلے پر آجائیں۔ ہم تم سے دو دو ہاتھ کرنے کے ارادے سے آئے ہیں، مسٹر جوفیانو! اُمید ہے تم بُزدلی نہیں دکھاؤ گے اور مردوں کی طرح مقابلہ کرو گے۔" میں کہتا چلا گیا۔

"اوہ! میں سمجھا" جوفیانو کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ کھیل گئی "لیکن تم میرا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ میں تمھیں نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ اس لیے اپنے ارادے سے باز آجاؤ۔ مجھے صرف تمھارے والد سے غرض ہے۔"

"ہم اتنے بُزدل نہیں کہ اپنے والد کے دُشمن کو اپنے گھر میں چہل قدمی کرتے برداشت کر سکیں۔ اس سے پہلے کہ ابّا جان واپس آئیں، ہم تم پر قابُو پا کر تمھیں پولیس

کے حوالے کر دینا چاہتے ہیں" اشفاق نے کہا۔

"بہت اچھا! اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو یونہی سہی۔ بتاؤ، یہ مقابلہ کہاں ہوگا؟" جوفیانہ نے کہا۔

"یہیں، اسی کمرے میں!"

"ٹھیک ہے، میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تم میں سے کسی کو چوٹ نہ آئے۔"

"لیکن ہم تم سے کسی نرمی کی بھیک نہیں مانگتے۔ تم سے جو ہو سکے کر لینا۔ ہم کمزور نہیں پڑیں گے۔" اخلاق نے اکڑ کر کہا۔

"لڑکو! تم بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے ہو۔ مجھے غصہ آگیا تو بہت برا ہوگا۔"

"دیکھا جائے گا" میں نے کہا۔

"اچھا، تو آؤ۔"

جوفیانو دروازے میں سے ہٹ گیا۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ پروگرام کے مطابق ہم نے کمرے کا ایک ایک کونا سنبھال لیا۔ جوفیانہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر ہم چاروں پر ڈالی اور پھر مسکرانے لگا۔

ہم ایک ایک فارم کر کے آگے بڑھنے لگے۔ اپنے ہتھیار ہم نے ہاتھوں میں تولے ہوئے تھے۔ ہم جانتے تھے

کہ ہماری جان ڈرائنگ روم کی کھڑکی سے لڑائی کا یہ منظر دیکھ رہی ہیں۔

اچانک آفتاب نے بید کی چھڑی کو تلوار کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ اس کا ہاتھ اتنی تیزی سے چل رہا تھا کہ جوفیانو حیران رہ گیا۔ میں نے اس کی حیرت سے فائدہ اٹھایا اور ہاکی کا وار اس کے سر پر کیا۔ عین اسی وقت اشفاق نے کرکٹ کے بلے کا وار جوفیانو کے گھٹنوں پر کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اخلاق کا ٹائیگون کا پھندا حرکت میں آیا تھا۔ کرکٹ کی گیند ہوا میں جھولتی ہوئی جوفیانو کی ناک کی طرف بڑھی تھی۔ آفتاب کی چھڑی جوفیانو کی کمر پر برسی تھی۔

بیک وقت چار طرف سے حملہ ہوا تھا اور اس قدر پھرتی سے ہوا تھا کہ کوئی تیز سے تیز آدمی بھی بچ نہیں سکتا تھا۔ ہمیں یقین تھا کہ جوفیانو بھی ضرور ہماری زد پر آکر رہے گا۔ لیکن یہ دیکھ کر ہمارے پیروں تلے سے زمین نکل گئی کہ ہم چاروں کے ہتھیار فرش سے ٹکرائے تھے۔ جوفیانو اس طرح ہمارے نرغے میں سے نکل گیا تھا جیسے ہمارے درمیان تھا ہی نہیں!

جوفیانو غائب

ہم بوکھلا کر مڑے۔ جوفیانو کمرے کے ایک کونے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس دوران میں اگر وہ چاہتا تو ہم پر حملہ کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر اس وقت بھی ایک شیطانی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"آؤ! ایک بار پھر کوشش کرو!"

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، آنکھوں ہی آنکھوں میں پروگرام بنایا اور آفتاب چھڑی گھماتا ہوا آگے بڑھا۔ اس مرتبہ ہم نے ایک ایک کرکے حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

بید کی چھڑی بجلی کی سی تیزی سے حرکت کر رہی تھی اور پھر وہ جوفیانو کے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے چھڑی سے خود کو بچانے کے لئے ایک جھکائی دی، مگر آفتاب بھی اس کے ساتھ ہی مڑ گیا، چھڑی جوفیانو کی کمر سے ٹکرائی مگر اس سے بھلا جوفیانو کا کیا بگڑتا۔ اب چھڑی کا دوسرا سرا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے ایک جھٹکا دیا

آفتاب لڑکھڑاتا ہوا دور تک چلا گیا۔ میں نے یہ دیکھنے میں وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آفتاب کا کیا حشر ہوا۔ فوزا اپنی جگہ سے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور جوفیانو کے دائیں ٹخنے پر پوری قوت سے ہاکی ماری۔ ہاکی کا وار بچانے کے لیے وہ اپنی جگہ سے اچھلا۔ ہاکی فرش سے ٹکرائی اور میرا ہاتھ جھنجھنا اٹھا۔ فوزا ہی دوبارہ ہاکی اس کی کمر پر رسید کی۔ یہ ہاکی وہ ہضم کر گیا۔ اس کا کچھ بھی نہ بگڑا۔ اتنی دیر میں اشفاق کرکٹ کا بلا لیے اس کی طرف بڑھ چکا تھا۔ عین اس وقت جب ہاکی اس کی کمر سے ٹکرائی، اس نے بلے سے سر پر وار کیا تھا۔ اچانک ہمیں یوں لگا جیسے بلا کسی لوہے کی چیز سے ٹکرایا ہو۔ دراصل اشفاق کا بلا نشانے پر بیٹھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے جوفیانو لڑکھڑا گیا۔ ہم نے اسے موقع دینا مناسب نہ سمجھا۔ اخلاق کی گردش کرتی ہوئی گیند اس کی کنپٹی پر پڑی، اور ہمیں یقین ہو گیا کہ جوفیانو کو دن میں تارے نظر آ گئے ہوں گے، مگر وہ وقت دن کا نہیں تھا، اس وقت تو رات تھی اور رات کو تو تارے سبھی دیکھ لیتے ہیں۔ البتہ اس وقت ضرور کہا جا سکتا تھا کہ جوفیانو کو کمرے میں تارے

نظر آ گئے ہوں گے، لیکن اس وقت کسے اتنا ہوش تھا کہ تارے نظر آنے اور نہ آنے کے بارے سوچتا۔ اس وقت تو ہم سب کو فکر تھی، اسے زیر کرنے کی۔ اخلاق کے ہاتھ کی گیند برداشت کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ یہ ہتھیار ہمارا بہت دفعہ کا آزمایا ہوا تھا۔ ہم نے جوفیانو کی کنپٹی سے خون کی ایک لکیر بہتے دیکھی۔ پھر وہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

"وہ مارا!" آفتاب کے منہ سے نکلا۔

"آخر خدا نے ہمیں فتح دی، اور اس کے غرور کا سر نیچا کیا" اشفاق نے کہا۔

"ایسا نہ کہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم جیت گئے ہو، لیکن یہ نہ بھولو کہ لڑائی کے دوران جوفیانو نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے، یہاں تک کہ اس نے آفتاب کو دھکا دیا، وہ بھی بہت آہستہ سے دیا تھا۔ اگر یہ چاہتا تو اس کا سر پاش پاش ہو سکتا تھا" امّی جان نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

ہم سن رہ گئے۔ امّی جان ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ ہماری یہ جیت ادھوری تھی۔ جوفیانو ہمارا لحاظ کرتا رہا تھا۔ ہم ابھی کھڑے سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا کریں کہ اچانک

دروازے کی گھنٹی بجی۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ ضرور تھانیدار ہوگا۔ ہم ڈرائنگ روم سے نکل کر سب کے سب دروازے کی طرف دوڑے۔ تھانیدار کو یہ خوش خبری سنانے کہ جوفیانو کو بے ہوش کر دیا گیا ہے اور یہ کہ اب اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

دروازے پر تھانیدار ہی تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔ ظاہر ہے اسے گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔ وہ خوش کس طرح ہو سکتا تھا۔

"جناب تھانیدار صاحب، ہم نے میدان مار لیا ہے" آفتاب نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"اب آپ کو زحمت نہیں کرنی پڑے گی"

"آخر ہوا کیا، تمہارے ابّا جان مل گئے ہیں؟"

"جی نہیں۔ دراصل ہم نے جوفیانو کو بے ہوش کر دیا ہے"

"ہیں! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" اُس نے آنکھیں پھاڑ کر ہمیں دیکھا۔

"ہم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ہم نے اس سے جنگ کی تھی"

"تم نے اس سے خواب میں جنگ کی ہوگی"

"نہیں۔ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ جوفیانو ڈرائنگ روم میں بے ہوش پڑا ہے!" امّی جان نے کہا۔

"بہت خوب! یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔ آخر تم نے اسے کس طرح شکست دے دی؟" تھانیدار نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"بس، یہ سب خُدا کی مہربانی سے ہوا" میں نے کہا۔

"ضرور کوئی بات ہے۔"

"جی ہاں۔ دراصل جوفیانو صرف وار بچاتا رہا۔ اس نے خود ان پر وار نہیں کیا، ورنہ یہ چاروں مل کر بھی اس پر قابُو نہ پا سکتے تھے۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے۔ جوفیانو تو بیس آدمیوں کے قابُو میں آنے والا بھی نہیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ چار کانسٹیبل بھی تھے۔ ان پانچوں کو لیے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور پھر دھک سے رہ گئے! ہمارے اُوپر کے سانس اُوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے تھے!

جوفیانو کا ڈرائنگ روم میں دُور دُور تک پتا نہ تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے ہم اسے فرش پر بے ہوش چھوڑ گئے تھے۔ لیکن اب خالی فرش ہمارا مُنہ چڑا رہا تھا!

اور یہ ہماری زندگی کا دُوسرا حیران کُن واقعہ تھا۔ صدر دروازے سے تو ہم خود چل کر آ رہے تھے۔ پھر جوفیانو کہاں گیا اور کیسے گیا؟ وہ تو بے ہوش تھا۔ ہم چکرا کر رہ گئے۔ تھانیدار نے قہقہہ لگایا:

"دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ تم نے خواب میں جوفیانو کو بے ہوش کیا ہوگا۔"

"جی نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ہم نے واقعی اس سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ دیکھیے، ہمارے ہتھیار ابھی تک یہاں موجُود ہیں۔"

"چھوڑو، بھئی۔ یہ سب خواب میں ہوا ہے۔"

"لیکن جناب، ہم سب ایک ہی خواب کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟" میں نے جل بھُن کر کہا۔

"میں کیسے بتا سکتا ہُوں؟ میں تو صرف یہ جانتا ہُوں کہ تم نے میری نیند خراب کی ہے۔ اچھا، اب میں چلتا ہوں اور خُدا کے لیے دن سے پہلے مجھے فون نہ کرنا۔" اس کے چہرے پر ناگواری تھی۔ وہ جانے کے لیے مُڑا۔ اس کے ساتھی بھی مُڑے۔ اچانک آفتاب چلّا اُٹھا:

"ٹھہریے، تھانیدار صاحب! یہ دیکھیے فرش پر!"

ہم چونک اُٹھے۔ تھانیدار اور اس کے ساتھی بھی

فوراً مڑے۔ آفتاب فرش پر ایک جگہ اُنگلی سے اشارہ کر رہا تھا۔ ہم نے آگے بڑھ کر دیکھا۔

خون کی ایک پتلی سی لکیر فرش پر چند انچ تک پھیل گئی تھی جب کہ ہم میں سے کسی کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا۔ یہ خون ضرور جوفیانو کا تھا جس کی کنپٹی زخمی ہو گئی تھی۔

ابّا جان

خون کی لکیر دیکھنے اور تمام واقعات تفصیل سے سُننے کے بعد تھانیدار کو یہ یقین آ گیا تھا کہ ہم نے جوفیانو سے واقعی مُقابلہ کیا تھا اور اسے زخمی بھی کر دیا تھا۔ زخمی اور بے ہوش ہونے کے باوجود وہ ڈرائنگ روم سے کہاں غائب ہو گیا تھا؟ اب اسے یہ معلوم کرنا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سارے مکان کی تلاشی لی، مگر جوفیانو کا کہیں نام نشان تک نہ ملا۔ آخر تنگ آ کر اس نے کہا:

"وہ شاید چھت پر چڑھ کر نیچے کُود گیا ہے۔"

"اتنی اُونچائی سے؟" امّی نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، وہ اس سے بھی زیادہ اُونچائی سے چھلانگ لگا سکتا ہے۔"

"پھر اب ہم کیا کریں؟" میں نے پُوچھا۔

"آرام۔ کیونکہ ہم سب تھک چکے ہیں۔ جوفیانو اور اس کے ساتھی نے ہمارا سکون غارت کر دیا ہے۔ جب تک ہم آرام نہ کر لیں گے، کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔

صبح جوفیانو کو آس پاس تلاش کیا جائے گا" تھانیدار نے کہا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

تھانیدار کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔ ہم واقعی بہت تھک گئے تھے۔ لیکن جونہی سونے کے لیے لیٹے، ابا جان کے خیال نے ہمیں پھر گھیر لیا۔

"نہ جانے ابا جان کہاں اور کس حال میں ہوں گے!" میرے مُنہ سے نکلا۔

"سوال یہ ہے کہ کیا وہ جوفیانو کے ڈر سے چھپ گئے ہیں!" آفتاب نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"لیکن اُنھوں نے تو اس کے ساتھی جیکارتا کو آسانی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ پھر انھیں جوفیانو سے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اخلاق بولا۔

"یہ تو وہی بتا سکیں گے" اشفاق کی آواز سُنائی دی۔

"ویسے میرا دل کہتا ہے کہ ابا جان یہیں مکان کے اندر ہیں" میں نے اُداس لہجے میں کہا۔

"ہاں، کھانے کی چیزوں کی ٹرے کے غائب ہونے کا مطلب تو یہی لیا جا سکتا ہے" آفتاب بول اُٹھا۔

"مزے کی بات تو یہ ہے کہ خالی ٹرے بھی گھر میں

کہیں نہیں ملی" اشفاق مُسکرایا۔

"کہیں یہ سب کچھ ایک خواب ہی تو نہیں؟" اچانک امّی کے مُنہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پُوچھا۔

"مطلب یہ کہ شاید ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔ جیکارتا کا آنا، رات کو اس کا مُردہ حالت میں ملنا، تمھارے ابا جان کا غائب ہونا، پولیس کا آنا، پھر جوفیانو کا اس قصّے میں شامل ہونا۔ کہیں یہ سب خواب تو نہیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم سب ایک ہی خواب نہیں دیکھ سکتے" میں نے جواب دیا۔

"لیکن ہم سے کوئی ایک تو دیکھ سکتا ہے" امّی بولیں۔

"نہیں۔ میرا دل نہیں مانتا کہ یہ کوئی خواب ہے" آفتاب نے کہا۔

"تو پھر تمھارے ابّو کہاں گئے؟ کھانے کی چیزوں کی ٹرے کہاں گئی؟ جیکارتا اور جوفیانو کا تمھارے ابّو سے کیا تعلق ہے؟ مجھے تمھارے ابّو کے ساتھ زندگی گزارتے بیس سال ہو چکے ہیں، اُنھوں نے کبھی کسی انڈونیشی کا ذکر نہیں کیا۔ پھر یکایک یہ کہاں سے آ ٹپکے؟ ہم نے پُورے گھر کو دیکھا، پولیس نے بھی کھنگالا، لیکن ان کا

کوئی پتا نہ چلا۔ یہ تو صرف خواب میں ہی ممکن ہے" اتنی یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

ان کی باتوں میں وزن تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہم چاروں میں سے کوئی اسے خواب ماننے کو تیار نہ تھا۔

نہ معلوم ہم کب تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ نیند ہماری آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ پھر نہ جانے آفتاب کو کیا ہوا کہ ایک دم بستر سے اُٹھ بیٹھا اور کمرے سے باہر جانے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے پُوچھا۔

"نیند نہیں آ رہی ہے۔ ذرا سامنے تک جا رہا ہُوں" اس نے کہا۔

"گھر سے باہر نہ جانا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں گھر کے اندر ہی ٹہلوں گا۔ اگر کوئی میرے ساتھ آنا چاہے تو آ سکتا ہے۔"

کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو آفتاب کمرے سے نکل گیا۔ ہم پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

"یہ بات بھی تو سمجھ میں نہیں آئی کہ جوزیانو کس طرح غائب ہو گیا! یہ ہمارا گھر ہے، کوئی بھوت خانہ تو نہیں ہے!" میں نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا، جان بُوجھ کر بے ہوش بن گیا تھا۔ جب ہم دروازے کی طرف گئے تو وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر کہیں چُھپ گیا ہوگا، یا پھر تھانیدار کے خیال کے مطابق چھت سے نیچے کُود گیا ہوگا" اشفاق نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں، یہ بات دل کو لگتی ہے" اخلاق نے کہا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ پھر آئے گا" میں نے کہا۔

"ہاں، اس میں کیا شک ہے۔"

"کاش ابّا جان غائب نہ ہوتے! پھر ہم اس مسئلے کو فوراً حل کر لیتے۔ ان کے غائب ہونے کی وجہ سے مسئلہ اُلجھ کر رہ گیا ہے" اشفاق کا لہجہ اُداس تھا۔

"مجھے تو سب سے بڑی فکر یہ کھائے جا رہی ہے کہ ابّا جان آئیں تو کہیں تھانیدار انھیں گرفتار نہ کر لے" اخلاق بولا۔

"ہاں!" میرے مُنھ سے نکلا۔

اسی وقت ہم نے قدموں کی چاپ سُنی۔ لیکن یہ آواز بہت دھیمی تھی۔ کوئی دبے پاؤں ہماری طرف آ رہا تھا۔ ہم چوکنے ہو گئے اور مُنھ چادروں میں چُھپا لیے، لیکن

تھوڑا سا سوراخ رکھ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

آنے والا آفتاب تھا۔ ہم نے اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑتے دیکھیں تو فوراً چادریں چہروں سے ہٹا دیں۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کسی کے منہ سے آواز نکلتی، اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا:

"کیا بات ہے، خیر تو ہے؟" میں نے سرگوشی کی۔

"خیر نہیں ہے" اس نے سر ہلا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" ہم گھبرا گئے۔

"ڈرائنگ روم میں جوفیانو موجود ہے۔"

"کیا!!" ہم چیختے چیختے بچے، اور بڑی مشکل سے آواز کا گلا گھونٹنے میں کامیاب ہوئے۔

"یہی نہیں، کمرے میں ابا جان بھی موجود ہیں۔"

"کیا!!!"

اس مرتبہ ہم بستروں سے کئی فٹ اچھل پڑے۔

ابا جان کہانی سناتے ہیں

پھر کئی سیکنڈ سکتے کے عالم میں گزر گئے۔

"آفتاب! کہیں تم مذاق کے موڈ میں تو نہیں ہو؟" اشفاق نے کہا۔

"کیا یہ مذاق کا وقت ہے؟" آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں، وقت تو رات کا ہے" اخلاق کو شوخی سوجھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، اس وقت ڈرائنگ روم میں صرف جوفیانو ہی نہیں، ابا جان بھی موجود ہیں" اس نے بتایا۔

"کیا ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"تھوڑا سا کھلا ہے۔ میں نے چھری میں سے جھانک کر دیکھا تھا" آفتاب نے کہا۔

"کیا وہ باتیں کر رہے تھے؟"

"میں ابا جان کا چہرہ اور جوفیانو کی کمر دیکھ سکا ہوں۔ وہ باتیں ضرور کر رہے تھے۔ لیکن کیا کہہ رہے تھے، یہ نہیں بتا سکتا۔ ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔ یوں بھی میں نے سننے کی کوشش ہی نہیں کی، کیونکہ میں تو ابا جان کو اندر

دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ میں نے سوچا، پہلے تم لوگوں کو بتا دوں؟

"ہُوں! اب کیا کریں؟"

"ڈرائنگ روم میں جانے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے" امی بولیں۔

ہم دبے پاؤں باہر نکلے۔ مجھے نہ جانے کیا خیال آیا کہ ڈرائنگ روم کی طرف جانے کے بجائے صدر دروازے کی طرف مُڑ گیا۔

"بھائی جان! ڈرائنگ رُوم اس طرف ہے" اشفاق نے کہا۔

"ہشت! زیادہ عقل مند بننے اور جاسوسی جھاڑنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں ڈرائنگ رُوم کدھر ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ صدر دروازہ اندر سے بند ہے یا کھلا ہے" میں نے کہا۔

"ارے ہاں! یہ بھی ضروری ہے" اخلاق نے میری تائید کی۔

"تو ہم یہیں ٹھہریں؟"

"نہیں۔ تم دبے پاؤں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے رہو، اور ہاں، اپنے اپنے ہتھیار ساتھ لے لو۔ شاید پھر مقابلے کی نوبت آ جائے" میں نے انھیں ہدایت کی۔

"لیکن ہتھیار تو ڈرائنگ روم میں ہی رہ گئے تھے۔"

"اوہ! ہاں۔ خیر، وہیں سے لے لیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے میں صدر دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ اب بھی اندر سے بند تھا۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ ابّا جان شروع سے آخر تک مکان کے اندر ہی رہے ہیں۔ یہ بات میرے لیے حد درجے حیرت انگیز تھی۔ آخر وہ اب تک کہاں چھپے رہے تھے! ہم جب سے پیدا ہوئے تھے، اسی مکان میں رہ رہے تھے، کیونکہ یہ ہمارے ابّا جان کا اپنا مکان تھا۔ لیکن اس کے باوجود ابّا جان مکان میں کسی جگہ چھپے رہے اور ہم میں سے کوئی انھیں تلاش نہ کر سکا، یہاں تک کہ پولیس اور جوزفائن بھی ناکام رہے۔

انھی خیالات میں گھرا ہوا میں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ اس وقت تک وہ سب دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ میں نے آؤ دیکھا، نہ تاؤ، آگے بڑھ کر دروازے کے دونوں پٹ کھول دیے اور ہم پانچوں اندر داخل ہو گئے۔ آفتاب نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہاں واقعی ابّا جان اور جوزفائن موجود تھے۔ لیکن آفتاب ایک اہم بات نوٹ نہیں کر سکا تھا۔ وہ بات ہمیں اندر داخل ہونے کے بعد ہی معلوم ہوئی۔ ابّا جان ایک کُرسی پر بیٹھے تھے۔ جوزفائن ان کے سامنے دُوسری کُرسی پر بیٹھا تھا، اور اس کے بائیں ہاتھ میں ایک

سیاہ رنگ کا ننھا سا پستول تھا۔ پستول کی نالی کا رُخ ابّا جان کی طرف تھا، ابّا جان پلکیں جھپکائے بغیر پستول کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ لیکن ان کے چہرے پر خوف کے بجائے ایک عجیب سی مُسکراہٹ تھی۔ ہم نے ان کے چہرے پر اس سے زیادہ عجیب مُسکراہٹ آج تک نہیں دیکھی تھی۔

ہمارے اندر داخل ہونے کی آواز سُن کر وہ دونوں چونک اُٹھے۔ اس عالم میں بھی جوفیانو کے پستول کی نال کے رُخ میں کوئی فرق نہ آیا۔ جوفیانو ہماری طرف تھوڑا سا مُڑا ضرور تھا، لیکن اتنا نہیں کہ ابّا جان کو کچھ کرنے کا موقع ملتا۔

"آؤ، آؤ۔ تم بھی آؤ۔ اپنے والد کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ تم نے بھی اس دوران میں خوب گُل کھلائے ہیں۔ مجھے زخمی تک تو کر دیا۔ تمھارے والد اب صرف چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس آخری وقت میں تمھیں ان سے دُور جانے پر مجبور کروں۔ ایک دُوسرے کو جی بھر کر دیکھ لو۔ پھر تمھیں یہ نظر نہیں آئیں گے۔ انھوں نے مجھ سے بچنے کی کوشش تو بہت کی۔ نہ جانے کہاں چُھپ گئے تھے۔ لیکن، میں جانتا تھا کہ کسی نہ کسی وقت یہ اس خفیہ جگہ سے نکلیں گے ضرور۔ اور میرا اندازہ دُرست نکلا۔ تھوڑی دیر پہلے جب میں نے ڈرائنگ روم میں جھانکا تو یہ

نظر موجود تھے۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ زخمی ہونے کے بعد تم ڈرائنگ رُوم سے کہاں چلے گئے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں سیدھا چھت پر گیا تھا اور مُنڈیر پکڑ کر نیچے لٹک گیا تھا۔ جب تھانیدار اُوپر پہنچا تو میں اسے نظر نہیں آیا۔ اگر وہ مجھے دیکھ بھی لیتا تب بھی میں اس کے ہاتھ نہ آسکتا تھا۔"

"بہت خوب! ابّا جان، اب آپ بھی ہمیں کچھ بتائیں۔ ہمارا تو مارے حیرت کے بُرا حال ہے۔ آخر یہ سب چکّر کیا ہے؟ سونے کے دو دانت والے یہ صاحب کون ہیں؟ جیکارتا کون تھا؟ اسے کس نے ہلاک کیا؟ آپ کا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے؟ آپ اس وقت تک کہاں چھپے رہے؟ خُدا کے لیے ہمیں سب کچھ بتا دیں۔"

"لیکن بیٹا، اب میرے پاس یہ سب کچھ بتانے کا وقت کہاں ہے تم نے سُنا نہیں، مسٹر جوفیانو نے کہا ہے کہ میں چند لمحوں کا مہمان ہوں۔" یہ کہتے ہوئے ابّا جان مُسکرائے۔

"نہیں، مسٹر مشتاق احمد خان۔ ان بچّوں کی آخری خواہش پوری کر دو۔ رات ابھی کافی پڑی ہے۔ مجھے کوئی ایسی جلدی نہیں ہے۔ تم انھیں جو کچھ بتانا چاہو، بتا سکتے ہو۔ مرنے سے پہلے انھیں کوئی وصیت یا نصیحت کرنا چاہو تو کر دو۔

مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا" جوفیانو نے کہا۔

"بہت اچھا۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں انھیں یہ کہانی ضرور سناؤں گا۔ بیٹھ جاؤ میرے بچو، اور بیگم تم بھی بیٹھ جاؤ۔ یہ کہانی اتنی مختصر نہیں کہ کھڑے کھڑے سنی جا سکے" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ابا جان ہمیں وہ کہانی سنانے والے تھے جسے سننے کے لیے ہم بہت بے تاب تھے۔ لیکن یہ کہانی جن عجیب حالات میں سنائی جا رہی تھی، وہ آپ کے سامنے ہی ہیں۔ جوفیانو کا پستول ابا جان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ وہ پوری طرح اس کی زد پر تھے۔ اس کے باوجود ان کے چہرے سے ڈر یا پریشانی کے آثار نہ تھے۔ پھر بھی ہم بہت فکرمند تھے کہ اس کہانی کے اختتام پر پہنچنے کے بعد کیا ہوگا! ابا جان جوفیانو کے وار سے کیسے بچیں گے! ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ انھوں نے کہانی شروع کر دی۔ ان کا لہجہ بہت دھیما اور پُراسرار سا تھا۔ اس انداز میں ہم نے انھیں باتیں کرتے کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ کہنے لگے:

"یہ کہانی جو میں تمھیں سنانے چلا ہوں، آج سے بیس سال پہلے شروع ہوئی تھی اور آج ختم ہو جائے گی۔ کہانی

کا اختتام تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوگا، جب کہ آغاز اس وقت ہوا تھا جب ابھی تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پاکستان اور انڈونیشیا دونوں دوست ملک ہیں۔ بیس سال پہلے بھی یہ دوست تھے۔ اچانک انڈونیشیا پر ایک مصیبت ٹوٹی۔ یہ مصیبت تھی سونے کے دانت والے لوگ۔ سونے کے دانت والے لوگوں کے ایک خونی گروہ نے پورے انڈونیشیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے انڈونیشیا کی حکومت درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ بڑے بڑے افسروں کو راہ چلتے قتل کر دیا گیا۔ ان کے گھروں کو لوٹ لیا گیا۔

یہ گروہ اچانک کہاں سے آ ٹپکا تھا، کون اس کا سرغنہ تھا، کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ پولیس نے لاکھ کوشش کی مگر اس کے ایک آدمی کو بھی نہ پکڑ سکی۔ وہ اسلحہ سے لیس ہوتے۔ بجلی کی طرح آتے اور طوفان کی طرح رفوچکر ہو جاتے۔ بڑی بڑی عمارتوں کو آگ لگا دی گئی، بینکوں کو لوٹا گیا، افسروں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ یہاں تک کہ انڈونیشیا کی حکومت تنگ آ گئی۔ اس نے اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے یہ اعلان کرایا کہ سونے کے دانت والے یہ تو بتا دیں کہ وہ چاہتے کیا ہیں۔ ان کا کوئی آدمی آئے اور حکومت کے ارکان سے بات کرے۔ ہم ان کے مطالبات مان لیں گے۔ اس کے

جواب میں سونے کے دانت والوں کی طرف سے اگلے دن اخبار میں یہ اعلان شائع ہوا :

"ہم صرف حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہتے ہیں اور وہ ہم اُلٹ کر رہیں گے۔ حکومت ہماری ہوگی۔ حکومت اور حکومت کے اہل کار۔ ہمارا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔ ہم آندھی، طوفان اور بگولوں کی طرح اس حکومت کو بہا لے جائیں گے۔ ہم ہیں سونے کے دانت والے۔"

اعلان پڑھ کر حکومت سناٹے میں آ گئی۔ لوگ دھک سے رہ گئے۔ یہ گروہ اتنے لمبے چوڑے ارادے رکھتا تھا، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ حکومت اور عوام تو اسے ڈاکوؤں اور لٹیروں کا ایک گروہ خیال کرتے تھے۔ اب ان کو معلوم ہوا کہ بڑے بڑے افسر کیوں نشانہ بن رہے ہیں۔ مقصد تو تھا ہل چل مچانا، افراتفری پھیلانا۔

پھر ایک نام سُننے میں آنے لگا۔ جب بھی کوئی واردات ہوتی، کوئی حملہ ہوتا، اس جگہ ایک کارڈ پڑا ملتا۔ اس کارڈ پر لکھا ہوتا :

"سونے کے دانت والوں کا سرغنہ : جوفیانو"

جوفیانو کے گروہ کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ آخر حکومت کو فوج بُلانا پڑی، لیکن فوج بھی اس گروہ کو

گرفتار نہ کر سکی۔ یہ لوگ تو دراصل چھلاوا تھے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کہاں رہتے ہیں۔ بس اچانک نمودار ہوتے، لُوٹ مار کرتے اور غائب ہو جاتے۔

پاکستان کی حکومت نے اپنے دوست مُلک کی یہ پریشان کُن حالت دیکھی تو خفیہ طور پر انڈونیشیا کے صدر سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو ہم اس سلسلے میں ان کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انڈونیشیا کی حکومت نے پُوچھا کہ بھلا حکومت پاکستان ان کی کیا مدد کر سکتی ہے۔ اس کا جواب انھیں یہ دیا گیا کہ حکومتِ پاکستان کی طرف سے صرف ایک آدمی بھیجا جائے گا اور وہ ایک آدمی اس پُورے گروہ کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے گا۔

یہ پیش کش بہت عجیب تھی۔ اس پہ یقین کرنا مشکل تھا، کیونکہ پُورے انڈونیشیا کی فوج اور پولیس جوفیانو اور اس کے ساتھیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی تھی۔ دراصل یہ لوگ عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ حد درجے تیز طرار اور پھرتیلے تھے۔ جب بھی پولیس یا فوج انھیں گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھتی، وہ اس طرح غائب ہو جاتے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ صرف ایک آدمی اس پُورے گروہ کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے گا، عجیب سی بات تھی۔

پھر بھی چونکہ دونوں مُلک بہترین دوست تھے اور تجربہ کرنے میں کوئی حرج بھی نہ تھا، اس لیے انڈونیشیا نے ہامی بھر لی۔ اس پر حکومتِ پاکستان نے اپنے اس آدمی کے سامنے یہ مہم رکھی۔ اس کا نام شمشاد بیگ تھا۔ شمشاد بیگ مُلک کے محکمۂ سُراغ رسانی کا سب سے بڑا اور مشہور افسر تھا۔ اس نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیے تھے کہ پاکستان کے لوگ ہی نہیں، غیر ممالک کے لوگ بھی دنگ رہ گئے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہے، لیکن وہ اس مُلک میں ایک مجرم کی حیثیت سے داخل ہوگا۔

اس کی یہ بات منظور کر لی گئی۔ انڈونیشیا کی حکومت کو خبردار کر دیا گیا، اور شمشاد بیگ کی نشانیاں بتا دی گئیں۔

شمشاد بیگ نے وہاں جاتے ہی ایک بڑا ڈاکا ڈالا اور اس جگہ ایک کارڈ چھوڑا جلا۔ اس پر لکھا تھا:

"یہ کام کسی سونے کے دانت والے کا نہیں، شمشاد ڈاکو کا ہے۔"

لوگ بہت حیران ہوئے کہ ایک مُصیبت ہی کیا کم تھی کہ دُوسری نازل ہو گئی۔ نہ صرف لوگ بلکہ خود جوفیانو اور اس کے ساتھی بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس وقت تک

جوفیانو انڈونیشیا کا ہیرو بن چکا تھا۔ لوگ اس کا نام سُن کر تھرّانے لگے تھے۔ پولیس والوں کا دم اس کے سامنے نکلنے لگا تھا۔ ایسے میں یہ شمشاد ڈاکو کہاں سے آ ٹپکا! لوگ حیران نہ ہوتے تو کیا کرتے!

پھر ایک کے بعد دُوسری اور دُوسری کے بعد تیسری واردات ہونے لگی۔ چند ہی دنوں میں شمشاد ڈاکو مشہور ہو گیا۔ یُوں لگتا تھا جیسے انڈونیشیا میں صرف ڈاکوؤں کی حکومت ہو۔

اُدھر جوفیانو حیران تھا۔ آخر ایک دن اخبار کے ذریعے جوفیانو کا پیغام شمشاد ڈاکو کو ملا کہ وہ اسی سے ملنا چاہتا ہے۔ یہ مُلاقات ایک گھنے جنگل میں ہوئی۔ جوفیانو شمشاد سے بڑی گرم جوشی سے ملا اور بولا:

"دیکھو، دوست! تم بھی بڑے پائے کے مجرم ہو، اس لیے میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ یقین جانو، کل جب حکومت ہماری ہوگی تو تمھیں بھی بہت بڑا عہدہ دیا جائے گا۔"

شمشاد ڈاکو نے پہلے تو ہچکچاہٹ ظاہر کی اور کہا کہ وہ اکیلا کام کرنا پسند کرتا ہے، لیکن پھر ان کے ساتھ شامل ہونے پر رضامند ہو گیا۔ دونوں نے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا اور بغل گیر ہو گئے۔ اگلے دن اس خوشی میں..." ابّا جان

کہتے کہتے رک گئے، کیونکہ اس وقت آفتاب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا اور ہاتھ اٹھا کر اجانت چاہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" انھوں نے پوچھا۔

"ابا جان، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی ملاقات کیسے ہو گئی؟ جوفیانو نے شمشاد کو تو اخبار کے ذریعے پیغام دیا تھا۔ شمشاد نے ملاقات کرنے پر رضامندی کیسے ظاہر کی؟"

"ہاں، تم نے اچھا سوال پوچھا۔ دراصل میں کہانی کو مختصر کرنے کے خیال سے اس بات کو گول کر گیا تھا۔ مگر تم بھی کم ذہین نہیں ہو۔ خیر، میں بتاتا ہوں۔ شمشاد نے بھی اخبار کے ذریعے اسے پیغام دیا کہ وہ ملاقات کے لیے تیار ہے اب جگہ اور وقت مقرر کرنے کا مسئلہ تھا۔ ظاہر ہے پولیس دونوں کی تاک میں تھی۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ اگلے دن کے اخبار میں ایک خفیہ پیغام شائع ہوا۔ یہ پیغام جوفیانو کی طرف سے تھا اس پیغام کو شمشاد کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا اور....."

"ذرا ٹھہریے، یہ بھی بتا دیں کہ وہ پیغام کیا تھا؟" آفتاب نے جلدی سے ٹوکا دیا۔

"بھئی، بال کی کھال نہ اتارو مجھے بیان کرنے دو جو

سوال تمھارے ذہن میں ہیں، بعد میں پوچھ لینا۔ خیر تمھارے اس سوال کا جواب بھی دیتا چلوں۔ اخبار میں ایک اشتہار ان الفاظ میں شائع ہوا:

"میرا بچپن کا دوست شمیس، جو ایک مدت سے مجھ سے نہیں ملا، جہاں کہیں بھی ہے۔ فوراً آ کر ملے۔ میں ہوٹل گرینڈ کے کمرا نمبر 407 میں ہر روز شام پانچ بجے اس کا انتظار کیا کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھے بھولا نہ ہوگا اور ضرور مجھ سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گا۔ جوفی۔"

یہ شمشاد کے لیے واضح اشارہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ جوفیانو کا یہ پیغام اسی کے لیے ہے۔ وہ دوسرے دن ہوٹل کے کمرے میں جا پہنچا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ البتہ ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک نے اسے کاغذ کا ایک پرزہ دیا۔ اس پر کوئی نمبر لکھا تھا۔ کلرک نے اسے اور کچھ نہ بتایا۔ بس اتنا کہا کہ کمرا نمبر 406 میں جو کوئی بھی رہتا تھا، اس نے یہ پرزہ دیتے وقت کہا کہ اگر کوئی اس سے ملنے آئے تو اسے دے دیا جائے۔

شمشاد پرزہ لے کر ہوٹل سے باہر آیا اور ایک ٹیلے فون بوتھ میں گھس گیا۔ اس نے نمبر گھمایا تو فوراً جواب ملا:

"ٹھیک ہے۔ شمال مشرقی جنگل میں آ جاؤ۔"

"تو اس طرح ان کی ملاقات جنگل میں ہوئی۔ اُمید ہے کہ اب تمہارا اطمینان ہو گیا ہوگا۔" ابا جان نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر پورے کمرے پر ایک نظر ڈالی۔ ہم نے بھی اِدھر اُدھر دیکھا۔ جوفیانو بُت بنا بیٹھا یہ کہانی سُن رہا تھا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں، اور پستول بدستور ابا جان کی طرف اُٹھا ہوا تھا۔

"ہاں، تو میں کہہ رہا تھا کہ اگلے دن اس خوشی میں جشن منانے کا اعلان کیا گیا۔ جوفیانو نے شمشاد کو بتایا کہ اس جشن میں ایک رسم بھی ادا کی جائے گی۔ شمشاد نے رسم کے متعلق پُوچھا تو جوفیانو نے بتایا کہ ہماری پارٹی میں جب کوئی نیا آدمی شامل ہوتا ہے تو جشن منایا جاتا ہے، اور جشن کے دوران ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ اس پارٹی کے تمام لوگ سونے کے دانت والے کہلاتے ہیں۔ کوئی شخص بھی پیدائشی طور پر تو سونے کے دانت والا ہوتا نہیں، اس لیے اس رسم میں نئے ممبر کا سامنے والا ایک دانت توڑا جاتا ہے اور اس دانت کی جگہ سونے کا دانت لگا دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل اس شخص کی بہادری اور برداشت کا امتحان بھی

ہوتا ہے۔

"اب شمشاد کو معلوم ہوا کہ اس گروہ کے سب لوگ سونے کے دانت والے کیوں ہیں۔ وہ دل ہی دل میں کپکپا اُٹھا لیکن چہرے سے کمزوری ظاہر نہ ہونے دی۔ اسی وقت جوفیانو نے اس سے کہا کہ تمہارا ناک نقشہ انڈونیشی لوگوں جیسا نہیں ہے۔ یہ کیا بات ہے؟"

"شمشاد نے کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے باپ نے ایک پاکستانی عورت سے شادی کی تھی۔" اس پر جوفیانو بولا، کل جب رسم ادا ہو جائے گی تو تمہیں کچھ خاص باتیں بتائی جائیں گی۔ اس وقت اتنا بتائے دیتا ہوں کہ ہماری پارٹی کے کچھ اور لوگ بھی انڈونیشی نہیں ہیں۔ وہ ایک پڑوسی مُلک کے باشندے ہیں۔ باقی باتیں کل بتاؤں گا۔

"شمشاد سُن ہو کے رہ گیا۔ اس نے سوچا، تو یہ پڑوسی مُلک کے جاسوس ہیں جو انڈونیشی حکومت کو تباہ کر دینا چاہتے ہیں!"

دانت توڑا جاتا ہے

"وہ رسم بہت خوفناک تھی۔ پارٹی کے تمام لوگ گھنے جنگل میں جمع تھے۔ پولیس اور فوج کے خطرے کے پیشِ نظر درختوں پر مسلح آدمی چوکس بیٹھے تھے۔ جنگل میں ہزاروں مشعلیں جل رہی تھیں۔ پارٹی کے تمام لوگ ایک دائرے کی شکل میں زمین پر بیٹھے تھے۔ جوفیانو اور شمشاد کو ایک تخت پر بٹھایا گیا تھا۔ چار آدمی بڑے بڑے ڈھول اٹھائے، انھیں زور زور سے پیٹ رہے تھے۔

پھر اچانک جوفیانو اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے کہنے لگا:

"آج کا دن ہم سب کے لیے بہت بڑی خوشی کا دن ہے۔ آج ہم میں ایک ایسے ساتھی کا اضافہ ہوا ہے، جو ہم سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ وہ بہادر بھی ہے اور دلیر بھی، طاقت ور بھی ہے اور پھرتیلا بھی۔ اس کی مدد سے ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آج ہمارا یہ نیا دوست وفاداری کی قسم کھانے کو اور اس

منھ میں سونے کا ایک دانت لگایا جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے جشن ہوگا، جشن۔"

"اس کے منھ سے جشن کا لفظ کیا نکلا، میدان کے بیچوں بیچ چند مرد اور عورتیں کود پڑیں۔ اس سے پہلے شمشاد کو کوئی عورت نظر نہیں آئی تھی۔ جوفیانو نے اس کے کان پر جھکتے ہوئے کہا:

"یہ عورتیں بھی ہماری پارٹی میں شامل ہیں۔"

"اس کے بعد ان عورتوں اور مردوں کا رقص شروع ہوا۔ یہ رقص بھی بہت خوفناک تھا۔ مرد اور عورتیں خنجروں سے لیس تھے اور ناچتے ہوئے ایک دوسرے پر خنجر کے وار کر رہے تھے۔ ایسے میں ڈھول کی دھمک اور تیز ہو گئی۔ دل دھک دھک کرنے لگے۔ شمشاد کو یوں لگا جیسے وہ صدیوں پرانے کسی قبیلے کے درمیان بیٹھا ہے۔

"موت کا یہ ناچ پورا ایک گھنٹا جاری رہا۔ اس دوران میں چار عورتیں اور تین مرد شدید زخمی ہو گئے۔ اس پر بھی ان کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہ آئی۔ زخمیوں کو اٹھا کر ایک طرف ہٹا دیا گیا اور ان کے زخموں پر پٹیاں باندھ دی گئیں۔ اس موقعے پر شمشاد نے پوچھا:

"ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو؟"

"تو ہم اسے پارٹی کا ہیرو بنا دیتے ہیں، اور دھوم دھام سے دفن کرتے ہیں۔ اس طرح مرنا ہم خوش قسمتی خیال کرتے ہیں" جوفیانو بولا۔

"کچھ دیر بعد موت کا ناچ ختم ہو گیا۔ شمشاد نے دیکھا، زخمیوں کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے انھیں کوئی بہت بڑا انعام مل گیا ہو۔

"ناچ کے ختم ہوتے ہی عورتیں اور مرد دائرے کی طرف بڑھ گئے۔ اب پھر جوفیانو کھڑا ہوا اور اس نے بلند آواز سے کہا:

"اب دانت توڑنے کی رسم ادا ہوگی۔ لیکن اس سے پہلے قسم کھلوائی جائے گی"

"جوفیانو کا یہ اعلان سن کر ایک بار تو شمشاد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک پل کے لیے اس نے سوچا کہ وہ بھاگ جائے، ان لوگوں سے دور۔ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ وہ تو یہاں اپنی حکومت کی طرف سے ایک اہم مشن پر آیا تھا۔ اس نے ضبط سے کام لیا اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ دوسری طرف جوفیانو کہہ رہا تھا:

"دانت توڑے جانے کے بعد سب لوگ نئے ممبر

سے ہاتھ ملائیں گے اور اسے مبارک باد دیں گے۔ تین چار روز بعد ٹوٹے ہوئے دانت کی جگہ ڈاکٹر جارڈی سونے کا دانت لگائیں گے"

"اب ڈھول اور بھی زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ جوفیانو نے شمشاد کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ بہت صحت مند اور طاقتور تھا۔ دشمنوں سے مقابلہ کرتے وقت اسے کاری چوٹیں بھی آئی تھیں، لیکن یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ دشمنوں کے ہاتھوں اپنی مرضی سے اپنا ایک مضبوط دانت اکھڑوا رہا تھا۔

"جوفیانو کے قدم آہستہ آہستہ میدان کے درمیانی حصے کی طرف اٹھنے لگے۔ شمشاد اس کے پیچھے تھا۔ گھنے جنگل جنگل میں ہزاروں لوگوں کے درمیان کھڑا وہ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ ایک پل کے لیے اسے خیال آیا کہ ایسے میں اگر ان لوگوں کو اس کی اصل حقیقت کا پتا چل جائے تو کیا ہو؟ یہ لوگ تو اس کی بوٹی بوٹی کر دیں گے۔

"خود کو پُرسکون ظاہر کرنے کے لیے اس نے اپنے چہرے پر ایک مصنوعی مسکراہٹ طاری کر لی۔ آخر وہ

بیچوں بیچ پہنچ گئے۔ یہاں ڈاکٹر جارڈی تیار کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں زنبور قسم کا ایک نوکیلا اوزار تھا۔ پاس ہی دواؤں کا ایک بکس پڑا تھا۔

"ساتھیو! ہمارے نئے دوست میدان میں کود پڑے ہیں۔ سب زور سے تالی بجائیں۔"

"ہزاروں تالیوں کی گونج نے ماحول کی خوفناکی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ شمشاد کا جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ ڈھول پوری قوت سے پیٹے جانے لگے۔ پھر ڈاکٹر کا اوزار اس کے ایک سامنے والے، نچلے دانت کی طرف بڑھا۔ اس نے شمشاد کو نیچے بٹھا دیا اور خود کھڑا رہا۔ اوزار نے دانت کو مضبوطی سے جکڑ لیا اور پھر ڈاکٹر زور لگانے لگا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے دو طاقتور آدمیوں کے درمیان رسا کشی ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر اوپر کی طرف زور لگا رہا تھا، شمشاد خود کو نیچے دبائے ہوئے تھا اور دانت تھا کہ نکلنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا!

"پانچ منٹ تک مجھے پر موت کی سی کیفیت طاری رہی اور اچانک ڈاکٹر لڑکھڑا گیا۔ شمشاد کے منہ سے نکلنے والی چیخ بہت بھیانک ہوتی، لیکن اس نے اس چیخ کو روکنے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ اگر اس کے منہ

سے چیخ نکل جاتی تو جونیانو اور اس کے ساتھی اسے کمزور خیال کرتے۔

"دانت اب زنبور کے نوکیلے سرے میں اٹکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر اسے چاروں طرف گھما کر لوگوں کو دکھا رہا تھا۔ وہ زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے اور ادھر شمشاد کے منہ سے خون جاری تھا۔ کئی منٹ تک کسی نے اس کے بہتے ہوئے خون کی طرف توجہ نہ کی، اور آخر ڈاکٹر اس کی طرف مڑا اور اس نے شمشاد کے منہ میں دوا لگائی۔ اس طرح یہ رسم اختتام کو پہنچی۔

"چند دن بعد سونے کا دانت اس کے منہ میں لگا دیا گیا۔ اسے جب جی چاہے اتارا اور لگایا جا سکتا تھا۔ اب شمشاد اس گروہ کا باقاعدہ رکن ہی نہیں بلکہ خاص آدمی بن گیا تھا۔ اس وقت اسے پتا چلا کہ جونیانو کے خاص آدمیوں میں ڈاکٹر جارڈی اور جیکارتا بھی شامل ہیں۔ وہ جیکارتا سے مل کر خوش نہیں ہوا، کیونکہ اس کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ نہ جانے کیوں جیکارتا اسے پسند نہیں کرتا تھا۔

"اس جنگل میں، جہاں جشن منایا گیا تھا، ایک زمین دوز دنیا آباد تھی۔ اس گروہ کے اکثر لوگ اسی دنیا میں رہتے

تھے۔ اس دُنیا میں جانے کے لیے ایک خفیہ راستہ تھا۔ جسے گروہ کے آدمیوں کے سوا کوئی آدمی نہیں جانتا تھا۔ وہاں سے گزر کر جب نیچے جایا جاتا تو یوں لگتا جیسے ایک چھوٹا سا شہر آباد ہو۔ وہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ لوٹی ہوئی چیزیں یہاں ڈھیروں کی صورت میں موجود تھیں۔ زمین دوز دُنیا میں یہ لوگ جنگی مشقیں کرتے، ایک دوسرے سے مقابلے کرتے، لڑائی بھڑائی کے نئے نئے اور حیرت انگیز طریقے ایجاد کیے جاتے۔ جوفیانو ان کی نگرانی کرتا اور ہدایات دیتا۔ جیکارتا صحیح معنوں میں اس کا نائب تھا۔ وہ اہم کام اسی کے مشورے سے کرتا تھا۔

"کچھ عرصے بعد شمشاد بھی ان کے رنگ میں رنگ گیا۔ اور ان کا قابلِ اعتماد ساتھی بن گیا۔ اس وقت اسے پتا چلا کہ جوفیانو بھی کسی سے ہدایات وصول کرتا تھا۔ اس زمین دوز دُنیا میں وائرلیس کی قسم کا ایک عجیب و غریب آلہ نصب تھا۔ اس کے ذریعے جوفیانو اکثر کسی سے باتیں کرتا تھا۔ یہاں کسی سے کوئی کام چھپا کر نہیں کیا جاتا تھا۔ شمشاد کے پوچھنے پر جوفیانو نے بتایا:

دراصل اس سازش کے پیچھے میرا دماغ کام نہیں کر رہا، بلکہ میرا تعلق جس ملک سے ہے، اس ملک کی حکومت کا

ذہن اس منصوبے کو ترتیب دے رہا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کا حکمران میں ہی ہوں گا اور تم سب لوگ میرے ساتھی ہوگے۔ بس میرے ملک کی حکومت ہماری حکومت کی نگران ہوگی۔"

شمشاد کانپ گیا۔ کس قدر خوفناک منصوبہ تھا! اگر یہ کامیاب ہو جاتا تو پاکستان ایک اچھے دوست سے محروم ہو جاتا۔ حکومتِ پاکستان نے بروقت دخل اندازی کی تھی، لیکن ساری ذمے داری ایک اکیلے آدمی پر آ پڑی تھی، جو ہزاروں کے اس خونی گروہ میں تنہا تھا۔

جوفیانو کے ساتھیوں میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ ملک بھر کے جرائم پیشہ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ سونے کے دانت والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ اس گروہ میں شامل ہونے والوں میں وہ لوگ بھی تھے جو حکومت کے مخالف تھے۔ اس طرح صرف چند ماہ میں ان کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔

دوسری طرف بڑے بڑے افسروں کو ختم کرنے کے پروگرام جاری تھے۔ شمشاد کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے تو ابھی تک حکومت کے کسی اہل کار سے رابطہ قائم کرنے کا موقع تک نہیں ملا تھا۔ وہ موقعے کی تلاش میں تھا۔ معاملہ

حد درجے خطرناک تھا۔ اگر ذرا سی بھی غلطی ہو جاتی تو وہ تو جان سے جاتا ہی، انڈونیشیا پر بھی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ اس لیے وہ بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اس وقت تک وہ جوفیانو یا جیکارتا کے ساتھ کئی مرتبہ لوٹ مار کے پروگراموں میں حصّہ لے چکا تھا۔ لیکن اس نے کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے تھے۔ لوگوں کو گولیاں اور خنجر کھاتے دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو روتا، لیکن وہ ان کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کو بچانے کی کوشش کرتا تو پوری قوم خطرے کی لپیٹ میں آ سکتی تھی۔ وہ اپنا دل بھینچ کر رہ جاتا اور دن رات موقعے کی تلاش میں لگا رہتا۔ دن اسی طرح گزرتے چلے جا رہے تھے۔

"اور آخر پورے گیارہ مہینے تک اس زمین دوز دنیا میں مجرموں کے اتنے بڑے گروہ کے ساتھ رہنے کے بعد قدرت نے اسے ایک موقع دے ہی دیا۔

"اتنا عرصہ یہاں رہنے کے بعد جوفیانو اس پر حد درجے اعتماد کرنے لگا تھا۔ لیکن جیکارتا اب بھی اسے عجیب نظروں سے گھورا کرتا۔ اسے آزمانے کے لیے جوفیانو نے اسے کئی بار تنہا ہی مہم پر بھیجا تھا۔ اور وہ کامیاب لوٹا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے کسی کو ہلاک نہیں کیا تھا اور صرف

دولت لوٹ کر لے آیا تھا۔ وہ بھی یہ سوچ کر کہ جب اس سازش کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے گا تو ان لوگوں کی لوٹی ہوئی دولت واپس کر دی جائے گی۔ ایک طرح سے یہ دولت اس زمین دوز دنیا میں ان کی امانت کے طور پر موجود تھی۔

"ہوا یوں کہ ایک رات جوفیانو نے اس سے کہا کہ آج میں اور جیکارتا اپنے ملک کے اعلیٰ دماغوں سے ملاقات کے لیے جا رہے ہیں۔ ہماری غیر حاضری میں تم یہاں کے حالات کو کنٹرول کرو گے۔ ہم گاہے گاہے وائرلیس پر تمھیں ہدایات دیتے رہیں گے۔ ہم صرف دو دن کے لیے جا رہے ہیں۔ اس دوران میں سب لوگ زمین کے نیچے رہیں گے۔ اوپر کوئی نہیں جائے گا۔

"اس نے یہ بات کئی دوسرے ساتھیوں کے سامنے کہی تھی۔ شمشاد نے اسے اطمینان دلایا کہ اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

"رات کے وقت وہ روانہ ہو گئے۔ شمشاد نے خفیہ راستے کے دہانے پر انھیں رخصت کیا۔ اب اس کے ذہن میں دھماچوکڑی مچ گئی۔ اسے ایک موقع تو ضرور مل گیا تھا، لیکن کوئی صورت ایسی نظر نہیں آ رہی تھی جس

سے وہ اس سازش کی دھجیاں بکھیر دیتا۔

"اس نے اپنے دماغ پر زور ڈالا۔ حالات بہت نازک تھے۔ گروہ کے تمام لوگ بہت ظالم اور قاتل تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بے رحم قاتلوں کا گروہ تھا۔ اسے اس پورے گروہ سے نبٹنا تھا جو ناممکن بات تھی۔ وہ اکیلا کسی طرح ان پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔ کوئی تدبیر نہیں سوجھ رہی تھی کہ وہ کیا کرے، اسے یہ معلوم تھا کہ ان لوگوں کو اگر ذرا سا شبہ ہو گیا کہ وہ جاسوس ہے اور ان کی سازش کو ناکام بنانے آیا ہے تو اس کے جسم کی ایک ایک بوٹی بھی ان کے ہتھے میں نہیں آئے گی۔ یوں بھی یہ لوگ انتقامی مزاج رکھتے تھے۔ انھیں جوفیانو اور جیکارتا نے تربیت دی تھی کہ اپنے دشمن کو ہرگز نہ چھوڑو، چاہے وہ پاتال (زمین کا سب سے نچلا حصہ) میں ہی کیوں نہ جا چھپے۔

"ایسے لوگوں سے کسی رحم کی امید تو نہیں کی جا سکتی تھی۔ یہ باتیں ان کی نس نس میں سما چکی تھیں۔ جوفیانو کی باتوں کو وہ ایک عالم کی باتوں کا درجہ دیتے تھے اور ان باتوں پر عمل کرنا اپنا ایمان سمجھتے تھے۔

"زمین دوز دنیا شہر سے تین میل دور ایک ایسے جنگل میں تھی جس میں کوئی دن میں بھی گھسنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

کسی کے وہم و گمان میں یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ سازشیوں اور ڈاکوؤں کا گروہ اس جنگل میں زمین کے نیچے رہتا ہے۔ کوئی امیر آدمی یا شکاری اگر ادھر آ بھی نکلتا تو بھی اسے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ ان حالات میں شمشاد اگر چکرا گیا تھا تو اس بے چارے کا کیا قصور تھا؟ تمام رات وہ اس مسئلے کا حل سوچتا رہا۔ ایک منٹ کے لیے اس کی آنکھ نہیں لگی، لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی۔ آخر دوسرے دن صبح سویرے وائرلیس پر اشارہ ہوا۔ اس نے فوراً آلہ کان کے قریب کیا۔ دوسری طرف سے خفیہ الفاظ میں کہا گیا:

"ہیلو..... جیم اس طرف سے بول رہا ہے۔ تم کون ہو؟"

"شیطان!" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اپنی مہم پر پہنچ گئے ہیں، کل تک واپس آ جائیں گے۔ تم میں سے کوئی اوپر نہ جائے۔ احتیاط بہت ضروری ہے۔"

"بہت بہتر" اس نے جواب دیا۔

"کوئی اور بات؟"

"جی نہیں۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی سلسلہ بند ہو گیا۔ لیکن شمشاد آلے کو کئی منٹ تک ہاتھ میں پکڑے رہا۔ آخر اس نے آلہ رکھ دیا۔ قریب ہی ڈاکٹر جارڈی کھڑا تھا۔ اس نے کہا:

"معلوم ہوتا ہے، بعد میں کوئی اہم پیغام دیا گیا ہے۔ تبھی تم اتنی دیر آلہ تھامے رہے۔"

"جی... جی ہاں" شمشاد کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا پیغام تھا وہ؟" جارڈی نے پوچھا۔ اس کے قریب دو تین آدمی اور بھی آ کھڑے ہوئے تھے۔

"اچانک شمشاد کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا، وہ چونک اٹھا۔ خدا نے اس کی مدد کی تھی۔ ایک تدبیر اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔

"مسٹر جوفیانو اور جیکارتا کل تک آئیں گے، لیکن خوشی کی خبر یہ ہے کہ ہماری تعداد میں کچھ ساتھیوں کا اضافہ ہونے والا ہے۔"

"اضافہ ہونے والا ہے۔ کیا مطلب؟" ڈاکٹر جارڈی نے پوچھا۔

"مسٹر جوفیانو نے بتایا ہے کہ انھوں نے ہمارے ٹھکانے کی طرف پچیس آدمی روانہ کیے ہیں جو آج شام یہاں

پہنچیں گے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باہر نکل کر ان کا استقبال کروں اور انھیں زمین کے نیچے لے جاؤں۔"

"کیا.... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ڈاکٹر جارڈی نے حیران ہو کر کہا۔

"جو مجھے بتایا گیا ہے" شمشاد نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"لیکن اگر غلط آدمی اس طرح ہم میں شامل ہو گئے تو؟" جارڈی نے سوال کیا۔

"مسٹر جوفیانو بہت عقل مند ہیں۔ انھوں نے بتایا ہے کہ آنے والے اپنے کالروں میں سیاہ گلاب کے پھول لگائے ہوں گے جو مصنوعی ہوں گے اور مجھے بھی یہاں سے اپنے کالر میں ایک سُرخ پھول لگا کر جانا ہوگا۔ یہ ہماری پہچان ہوگی۔ میں ان لوگوں سے اپنے آپ کچھ نہیں کہوں گا۔ وہ خود مجھے پہچانیں گے، کیونکہ مسٹر جوفیانو نے انھیں میرا حلیہ بتا دیا ہے" شمشاد کہتا چلا گیا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا" اچانک ڈاکٹر جارڈی نے کہا۔ یہ سنتے ہی شمشاد چونک گیا۔ اس نے فوراً کہا:

"جی نہیں... آنے والوں کو بتایا گیا کہ جنگل میں صرف ایک آدمی سُرخ گلاب والا انھیں لینے آئے گا، اگر آپ میرے ساتھ گئے تو وہ ہمارے ساتھ نہیں آئیں گے، اس صورت میں وہ یہ سوچیں گے کہ شاید وہ غلط ہاتھوں میں پڑنے والے ہیں۔"

"ہُوں... تم ٹھیک کہتے ہو، تم اکیلے ہی جانا۔ میں یہاں ان کے استقبال کی تیاری مکمل کراؤں گا۔"

"اور ہاں! مسٹر جوفیانو نے یہ بھی کہا ہے کہ جب تک وہ واپس نہ آئیں، جشن نہیں منایا جائے گا اور نہ دانت توڑنے کی رسم ادا کی جائے گی۔" شمشاد نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ان کی ہدایات پر لفظ بہ لفظ عمل کیا جائے گا۔" ڈاکٹر جارڈی بولا۔

"اس وقت شمشاد خُدا کی قدرت پر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے یہ مُشکل کس طرح چٹکی بجاتے حل کر دی تھی۔ اب مسئلہ تھا پروگرام پر عمل کرنے کا۔ وہ بڑی تیزی سے اس پہلو پر سوچنے لگا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ وہ ان سب کے سامنے خُفیہ راستے سے باہر نکلا، اس کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا۔

"جنگل میں اس وقت سخت اندھیرا تھا لیکن اب یہ

جنگل اس کے لیے اجنبی نہیں تھا، وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگا۔ تین فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سڑک دکھائی دی۔ سڑک پر کافی دیر کے بعد ہی کوئی گاڑی گزرتی تھی۔ وہ اس طرف پہنچا جہاں گردہ کی گاڑیاں پوشیدہ تھیں۔ یہ جگہ درختوں سے کچھ اس طرح گھری ہوئی تھی کہ لاکھ کوشش کے باوجود کسی کو جیپیں اور کاریں نظر نہیں آ سکتی تھیں۔ اس نے جلدی سے ایک کار میں بیٹھ کر اس کا انجن سٹارٹ کیا اور اسے سڑک پر لے آیا۔ اب وہ ہوا کی طرح اُڑا جا رہا تھا۔

"کچھ دیر بعد وہ خفیہ پولیس کے دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔ انڈونیشیا میں آنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ سرکاری دفاتر اور سڑکیں ذہن نشین کر لی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس وقت کسی وقت کے بغیر خفیہ پولیس کے دفتر میں پہنچ گیا تھا۔

"آئی جی نے اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور کرخت آواز میں پُوچھا:

"کون ہو تم؟"

"یہ جملہ سُن کر وہ مُسکرا دیا۔ سونے کا چمکتا دانت دیکھتے ہی آئی جی کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس

وقت تک سونے کے دانت والوں کا تہلکہ مچ چکا تھا۔ لوگ تو ان کے نام سے ہی کانپنے لگتے تھے۔ اور یہاں آئی جی کے سامنے جیتا جاگتا آدمی موجود تھا۔ آئی جی کے مُنہ سے کوئی اور لفظ نہ نکل سکا، لیکن شمشاد کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس نے فوراً اپنا وہ نام دہرایا جو اسے پاکستان سے روانہ ہونے سے پہلے انڈونیشیا کی خفیہ پولیس نے دیا تھا۔ نام سُن کر آئی جی اپنی جگہ سے اُچھل پڑا:

"بندۂ خدا، آپ کہاں غائب ہو گئے تھے؟ ہم آپ کے لیے فکرمند تھے۔ حکومتِ پاکستان بار بار آپ کے بارے میں پُوچھتی رہی، لیکن ہمیں کچھ معلوم ہوتا تو بتاتے۔ ہمارے تو فرشتوں کو بھی آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ہمیں خوف تھا کہ کہیں آپ سونے کے دانت والوں کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہوں۔"

"اس میں کوئی شک بھی تو نہیں ہے، میں سچ مچ ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا"، شمشاد نے کہا۔

"ہیں.... وہ کیسے؟"

"یہ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ مجھے اس وقت فوراً پچیس نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ ان کے کالروں میں مصنوعی سیاہ گلاب لگے ہونے چاہئیں، ان کے کپڑوں میں بھرے

ہوئے پستول پوشیدہ ہوں۔ فالتو گولیوں کی پیٹیاں کپڑوں کے نیچے ان کے جسم کے ساتھ لٹک رہی ہوں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" آئی جی چونک اُٹھا۔

"میں نے کہا نا، بات بنانے کا وقت نہیں ہے۔ اگر آپ سونے کے دانت والوں کو گرفتار دیکھنا چاہتے ہیں تو فوراً اس پر عمل کریں جو میں کہہ رہا ہوں۔ اگر وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر موقع نہیں ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنا ایک آدمی بھی ضائع کیے بغیر تمام مجرم گرفتار کروں۔"

"بہت بہتر" آئی جی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"صرف آدھ گھنٹے کے بعد پچیس نوجوان تیار کھڑے تھے۔ پھر وہ سب تین جیپوں میں سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آئی جی شمشاد کے ساتھ اگلی جیپ میں تھا۔

"دشمن کی تعداد کیا ہے؟"

"کم از کم پانچ ہزار تو ہوں گے۔"

"کیا۔۔؟" آئی جی چلایا "اور آپ صرف پچیس آدمی لے کر جا رہے ہیں۔"

"ہاں، اس کی بھی ایک وجہ ہے" شمشاد نے کہا اور پھر دھیمے لہجے میں اسے بتانے لگا کہ انھیں کیا کرنا ہے۔ پھر ایک جگہ جیپیں روک کر دوسروں کو بھی ساری بات سمجھا دی گئی۔

"آخر وہ جنگل تک پہنچ گئے۔ جیپیں درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپا دی گئیں۔ اب شمشاد انھیں لے کر خفیہ راستے کی طرف چلا، یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعے زمین کے نیچے پہنچ گئے۔ ڈاکٹر جارڈی اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ ان کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ شمشاد کے ان پر نظر پڑتے ہی بلند آواز میں کہا:

"دوستو! تم سب کو مبارک ہو۔ ہمارے نئے ساتھی آگئے۔"

ان کی آن میں سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ آئی جی اور اس کے ساتھیوں نے کسی سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شمشاد ہی ان کی جگہ سب سے باتیں کرتا رہا۔

"آخر سونے کا پروگرام ٹھہرا اور پھر سب سونے کے لیے لیٹ گئے۔ سب لوگ مختلف کمروں میں کئی کئی کی تعداد میں سوتے تھے۔ جب دو گھنٹے گزر گئے اور شمشاد کے اندازے کے مطابق سب لوگ سو گئے تو ان کا کام شروع ہوا۔ شمشاد اپنے پچیس ساتھیوں کو لے کر اسلحے کے ذخیرے کے پاس آیا۔ انھوں نے تمام اسلحہ وہاں سے اٹھایا اور خفیہ راستے کے ذریعے باہر لا کر جنگل میں ایک جگہ چھپا دیا۔ اب زمین دوز دنیا میں تمام لوگ ہتھیاروں کے بغیر تھے۔ شمشاد نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ مرحلہ خون خرابے کے بغیر طے ہو گیا تھا۔

"اب آپ جا کر فوج اور پولیس کو یہاں لے آئیں اور گھیرا ڈال کر انھیں گرفتار کر لیں۔ مقابلے کا سوال ختم ہو چکا ہے، کیونکہ اب ان کے پاس اسلحے کے نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔"

"آئی جی دنگ رہ گیا۔ اتنا بڑا معرکہ کس آسانی سے سر ہو گیا تھا۔ اس نے کپکپاتی آواز میں کہا:

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ خواب سے اس وقت چونکیں گے جب میں ان لوگوں کا اصل مقصد آپ کو بتاؤں گا۔ آپ تو یہی سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ صرف ڈاکو ہیں۔" شمشاد نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر... اور یہ کیا ہیں؟"

"پہلے آپ وہ کیجیے جو میں نے کہا ہے۔ آپ کے تمام سوالوں کے جوابات میں بعد میں دوں گا۔"

"بہت اچھا" آئی جی نے کہا اور فوراً ہی چلے گئے۔

"آخر خدا خدا کر کے آئی جی صاحب فوج اور پولیس کی ایک بڑی تعداد لے کر آئے۔ جنگل کی ناکہ بندی کر لی گئی۔ مورچے بنا لیے گئے۔ جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں تو شمشاد نے خفیہ دروازہ کھولا اور اس میں ایک دستی بم دے مارا۔ بم زور دار دھماکے سے پھٹا۔ زمین دوز دنیا میں ہل چل مچ گئی۔ وہ سب ہڑبڑا کر اٹھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا

تھا کہ ماجرا کیا ہے۔ آخر ڈاکٹر جارڈی چلایا:

"شمشاد! تم کہاں ہو؟"

"میں باہر ہوں۔ جنگل میں۔ تم سب کا استقبال کرنے کے لیے تیار کھڑا ہوں۔"

ان کی سمجھ میں ان الفاظ کا مطلب نہ آیا۔ وہ اندھا دھند خفیہ راستہ طے کرتے ہوئے باہر نکلے۔ ڈاکٹر جارڈی سب سے آگے تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے چلا کر کہا کیونکہ اسے شمشاد کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک لاؤڈ سپیکر پر اس کی آواز گونجی:

"ڈاکٹر جارڈی! تم اور تمہارے تمام ساتھی گھیرے میں لیے جا چکے ہیں۔ یہ پورا جنگل اس وقت فوج کے نرغے میں ہے۔ تمہارے اسلحے پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم سب اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"شمشاد.... یہ آواز تو شمشاد کی ہے۔ تو.... تو....."

ڈاکٹر جارڈی اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر سب واپس زمین دوز دُنیا کی طرف بھاگے۔ اُن کا خیال تھا کہ اسلحے والی بات غلط ہے۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچے تو کہیں ایک پستول تک نہیں تھا۔ ان کے رنگ

فق ہو گئے۔ وہ سب ڈاکٹر جارڈی کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"اب کیا کریں ڈاکٹر؟"

"افسوس، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس وقت ہم اس طرح گھر چکے ہیں کہ سوائے گرفتاری دینے کے کچھ نہیں کر سکتے۔"

"لیکن اس طرح گرفتار ہو جانا کہاں کی عقل مندی ہے، یہ لوگ پھانسی سے کم سزا نہیں دیں گے" ایک ساتھی نے کہا۔

"تو پھر تم ہی بتاؤ۔ کیا کریں؟"

"بھاگنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے۔ کیا اس طرح ہم میں سے اکثر بھاگ نکلنے میں کامیاب نہیں ہو جائیں گے؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ساتھیو بھاگو۔ جو جس طرف نکل سکتا ہے، نکل جائے۔"

"اور پھر بھگدڑ مچ گئی۔ ہزاروں آدمی ایک ساتھ بھاگے لیکن جنگل پوری طرح گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ صرف تین گھنٹے کی ہل چل کے بعد تقریباً تمام کارکن گرفتار کر لیے گئے۔ صرف چند ایک بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

"شمشاد سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے فوجیوں کو زمین دوز دُنیا کے بارے میں ضروری ہدایات نہ دیں جس کی وجہ سے فوجیوں نے پے در پے بم مار کر اس جگہ کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ بعد میں شمشاد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اگر

زمین دوز دُنیا کو تباہ نہ کیا جاتا تو ضرور جوفیانو اور جیکارتا کا پیغام آتا رہتا۔ انھیں اس طرف ہونے والی تبدیلی کا پتا نہ چلتا اور جب وہ واپس آتے تو گرفتار ہو جاتے۔ لیکن اب ان کا ہوشیار ہو جانا یقینی تھا اور یہی ہوا۔ کئی ہفتے کی مسلسل نگرانی کے بعد بھی جوفیانو اور جیکارتا واپس نہ آئے۔

"شمشاد اور آئی جی ان لوگوں کو گرفتار کر کے واپس پہنچے اور جب انڈونیشیا کے صدر، وزرا اور تمام بڑے افسروں کے سامنے شمشاد نے اپنی کہانی دہرائی تو اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ان کے اُوپر کے سانس اُوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ صدر نے کہا:

"ہم صرف پاکستان کی حکومت کے ہی نہیں، ذاتی طور پر آپ کے بھی شکر گزار ہیں۔ آپ نے جو شاندار کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ بے مثال ہے۔ گیارہ مہینے تک ان لوگوں کے درمیان رہنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ یہ بہت صبرآزما اور جان جوکھوں کا کام تھا۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جوفیانو اور جیکارتا کا کیا کیا جائے۔ وہ دونوں تو آپ کے جانی دشمن بن گئے ہوں گے۔"

"اس بارے میں آپ فکر نہ کریں۔ مجھے میرے مُلک پہنچانے کا بندوبست کر دیں۔ اگر انھوں نے اُدھر کا رُخ کیا

تو یہ میرا اور ان کا معاملہ ہوگا۔ ہم اسے خود ہی حل کرلیں گے۔"

"ہم ایک بار پھر پاکستان کا شکریہ ادا کرتے ہیں" صدر نے اُس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

رُخصت کے وقت قیمتی اور نادر تحائف سے اسے لاد دیا گیا۔ ہوائی اڈے پر صدر اور وزرا نے اسے الوداع کہا۔

"وہ اپنے وطن پہنچا۔ اس نے اپنے افسرانِ بالا کو رپورٹ دی اور ریٹائر ہونے کی درخواست کی۔ وجہ یہ تھی کہ اب اسے اپنے دُشمنوں کا اِنتظار کرنا تھا، جن سے نپٹنا آسان کام نہ تھا۔

"اس کی درخواست منظور کر لی گئی۔ اس کی خدمات کے صلے میں اسے بے شمار سرٹیفکیٹ دیے گئے۔ خود صدر نے اس کی تعریف کی۔ ملازمت سے فارغ ہو جانے کے بعد اُس نے تجارت شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور ہیرے کا کاروبار کرنے لگا۔ ابھی تک اُس نے شادی نہیں کی تھی۔ ملازمت سے فارغ ہو کر اُس نے شادی کر لی۔ اس کے ہاں چار لڑکے پیدا ہوئے۔ اس دوران میں وہ اپنے دُشمنوں کا اِنتظار کرتا رہا۔

"ایک دن اس کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس نے دروازہ کھولا تو دروازے میں جیکارتا کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر ایک خُونی مُسکراہٹ تھی۔

جوفیانو کی چیخ

ابا جان کہانی سناتے سناتے رُک گئے۔ ہم سمجھ گئے تھے کہ دراصل شمشاد، جس کی وہ کہانی سنا رہے ہیں وہ خود ہیں۔ یہ وہی تھے جنھیں حکومتِ پاکستان نے انڈونیشیا بھیجا تھا اور جنھوں نے تن تنہا اس سازش کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا تھا۔

"ہم سمجھ گئے ابا جان! تو کیا آپ نے اپنا نام تبدیل کر لیا ہے" میں نے پوچھا۔

"نہیں، میرا اصل نام مشتاق احمد خان ہی ہے۔ شمشاد کے نام سے میں انڈونیشیا گیا تھا۔"

"بہت خوب! یہاں تک تو ہم سمجھ گئے — اب آگے بتائیے۔ آپ نے جیکارتا کو کیسے ختم کیا اور آپ غائب کہاں ہو گئے تھے؟" آفتاب نے پوچھا۔

"ہاں! اب یہ بھی بتانا ہوگا۔ دروازہ کھولتے ہی میں نے جیکارتا کو اور جیکارتا نے مجھے پہچان لیا۔ اس نے مسکرا کر کہا "تو ہم نے تمھیں ڈھونڈ ہی لیا۔"

"ہاں دوست۔ تم مجھے ڈھونڈنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ آؤ اندر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"میں اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ ابھی ہم نے بات چیت شروع ہی کی تھی کہ تم لوگ آ گئے۔ تمھیں بڑی مشکل سے ڈرائنگ روم سے چلتا کیا اور ہم نے پھر گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ جیکارتا نے مجھے بتایا کہ اس نے میری تلاش میں پورے پندرہ سال لگائے ہیں اور یہ کہ اب میرا آخر وقت آ پہنچا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر میرا وقت آ ہی پہنچا ہے تو میں کیا کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سُن کر جیکارتا مسکرایا، لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ پر حملہ کرتا، میں نے اس کے جسم میں زہریلی سوئی اُتار دی۔"

"لیکن تم میرے جسم میں زہریلی سوئی نہیں اُتار سکو گے" جوفیانو نے غرّا کر کہا اور ہم چونک اُٹھے۔

"میں جانتا تھا کہ جیکارتا تنہا نہیں ہو سکتا، بلکہ تم بھی اس کے ساتھ ہی آئے ہو گے اور باہر چھپے ہوئے ہو گے، اسی لیے میں جیکارتا کے جسم میں زہریلی سوئی اُتارنے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔"

"اور اب میں تمھیں غائب کروں گا۔"

"مسٹر جوفیانو۔ یہ ضروری نہیں" ابا جان نے مسکرا کر کہا۔
"یہ میرے لیے کیا مشکل ہے؟ پستول میرے ہاتھ میں ہے، اس پر سائیلنسر لگا ہوا ہے، میرے ٹرائیگر دبانے کی دیر ہے اور تم دوسری دنیا کو سدھار چکے ہوگے" جوفیانو نے کہا۔
"لیکن اس سے پہلے کہ تم ٹرائیگر دباؤ، جیکارتا کی طرح زہریلی سوئی کا شکار ہو چکے ہوگے" ابا جان نے مسکرا کے کہا۔
"کیا مطلب؟" جوفیانو کے منہ سے نکلا۔
"جوفیانو.... تم نے اگر مجھے تلاش کرنے میں پندرہ سال خرچ کیے ہیں تو یقین جانو کہ میں بھی پندرہ سال سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور میں نے تمہارے استقبال کی تیاری بہت پہلے کر لی تھی۔ میں جانتا تھا کہ تم آؤ گے۔ ظاہر ہے کہ میں یہ بھی جانتا تھا کہ تم کس قدر تیز طرار پھرتیلے اور نہ جانے کیا کچھ ہو۔ میں کیسے بے فکر ہو کر بیٹھ رہتا۔ میں نے مسلسل کئی سال تک تیاری کی ہے۔ اس وقت تم جس کرسی پر بیٹھے ہو، یہ کرسی زہریلی سوئیوں کی زد میں ہے۔ تمہاری انگلی میں حرکت ہونے سے پہلے سوئی تمہارے جسم کے پار ہوگی جب کہ میرے جسم پر

اس وقت بلٹ پروف موجود ہے۔ تمہارے پستول کی گولی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں تمہیں اس کی بھی مہلت نہ دوں۔ اور تم گولی چلانے کی حسرت دل میں لیے مر جاؤ۔ دراصل تمہیں یہاں تمہاری موت کھینچ لائی ہے۔ اگر تم پستول نیچے گرا دو تو میں تمہارے جسم میں زہریلی سوئی نہیں اتاروں گا اور تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں۔ پولیس کے ہاتھوں میں جانا قبول کر لو یا زہریلی سوئی کا شکار ہو جاؤ۔"
"میں تمہاری آنکھوں پر فائر کروں گا" جوفیانو نے تلملا کر کہا۔
"کوشش کر دیکھو۔ میری آنکھوں کے اوپر اس وقت جو ہیٹ ہے، اس کے سرے پر شیشے کی مانند شفاف ایک پترا لگا ہوا ہے جس نے میری آنکھوں کو اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے، لہٰذا تمہارا یہ وار بھی خالی جائے گا۔"
"کچھ بھی ہو۔ میں تم پر فائر ضرور کروں۔ موت کے ڈر سے تم جھوٹ بول رہے ہو اور بلٹ پروف والی بات بھی یقیناً غلط ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ کرو فائر۔"

جوفیانو کی انگلی میں حرکت ہوئی ہی تھی کہ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی، پستول چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ یہ کیسے ہوا، کیونکہ ابا جان نے تو اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی تھی۔ ہم نے انھیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ تھی۔

"آخر یہ کیسے ہوا؟ اس وقت تک ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے ہیں۔ خدا کے لیے جلدی سے سب کچھ بتا دیں۔" امی جان نے بے چینی سے کہا۔

"ہاں! اب بتانے کا وقت آ گیا ہے۔ جس کرسی پر میں بیٹھا ہوں، اس میں چند بٹن لگے ہوئے ہیں، جنھیں دبانے سے اس میں سے زہریلی سوئیاں سامنے والی کرسی پر بیٹھے ہوئے آدمی کے جسم میں دھنس جاتی ہیں۔ یہیں بیٹھے بیٹھے میں نے جیکارتا کو ختم کیا تھا اور اب تمھارے سامنے جوفیانو کا بھی یہی حشر ہوا۔"

"لیکن ابا جان! یہ کرسی تو یہاں روز ہی پڑی رہتی ہے۔ اگر ہم سے کسی کا ہاتھ ان بٹنوں پر جا پڑتا تو۔۔۔؟"

"ان بٹنوں پر تو تم سب کا ہاتھ نہ جانے کتنی مرتبہ

پڑا ہوگا۔ دراصل یہ بٹن لکڑی پر ابھرے ہوئے نہیں ہیں۔ کرسی کا ہی ایک حصہ ہیں، اس کے علاوہ پہلے ایک بٹن دبانا پڑتا ہے، اس کے بعد وہ بٹن دبایا جاتا ہے جس کی زد پر دشمن ہوتا ہے۔ اس کمرے میں دشمن کسی جگہ بھی کھڑا ہو، میں بیٹھے بیٹھے اس پر سوئی پھینک سکتا ہوں۔ اب تم میرے پاس آ جاؤ۔ میں ان بٹنوں کو دبا کر دکھاتا ہوں۔"

ہم ان کے پاس جا کر دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت انھوں نے وہ بٹن ہمیں دکھائے۔ کرسی کے بازو پر گول گول سے نشان تھے جو عام طور پر لکڑی میں ہی بنے ہوتے ہیں۔ کوئی انھیں دیکھ کر یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ بٹن ہوں گے۔ ابا جان نے پہلے بائیں ہاتھ پر بنا ایک بٹن دبایا۔ ہم نے دیکھا، ان کی انگلی کے دباؤ سے بٹن بہت ہی معمولی سا نیچے دھنس گیا۔ اس کے بعد انھوں نے انگلی وہاں سے ہٹا لی اور بٹن اپنی جگہ پر آ گیا۔ اب انھوں نے دائیں بازو پر لگے ایک بٹن پر انگلی رکھتے ہوئے کہا:

"میں آتش دان پر رکھی گڑیا پر سوئی چھوڑوں گا۔"

یہ کہتے ہی انھوں نے ایک بٹن دبا دیا۔ کوئی آواز

آئی نہ سوئی کسی جگہ سے نکلتی نظر آئی۔ ہم نے گڑیا کے قریب جا کر دیکھا، اس کے پیٹ میں ایک سوئی دھنسی ہوئی تھی۔ اب ہمیں جوفیانو کا خیال آیا۔ اسے ہم بھول ہی گئے تھے اور یہ تک نہ دیکھا تھا، کہ اس کے سوئی کہاں لگی ہے۔ ہم نے دیکھا، سوئی اس کے سینے میں پیوست تھی۔

ہم ایک بار پھر سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے۔

"ابا جان! اور سب باتیں تو سمجھ میں آ گئیں، اب سب سے حیرت انگیز بات رہ جاتی ہے کہ آپ گھر میں چھپے کس جگہ تھے کہ ہم ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے مگر آپ نہ ملے" میں نے سوال کیا۔

"دراصل میں نے ان دونوں کا پورے پندرہ سال تک انتظار کیا۔ اس دوران میں ان سے مقابلہ کرنے اور اپنا بچاؤ کرنے کے لیے اپنی عقل کے مطابق عمل کرتا رہا۔ انڈونیشیا سے واپس آنے کے بعد میں نے سب سے پہلا جو کام کیا، وہ یہ تھا کہ اپنے اس مکان میں ایک تہہ خانہ بنوایا اور اس کا راستہ بہت ہی خفیہ رکھا۔ تہہ خانے کا راستہ ڈرائنگ روم میں ہی نکلتا ہے، لیکن کیسے نکلتا ہے، یہ صرف میں جانتا ہوں۔ اب تم یہ پوچھو گے کہ اس

تہہ خانے کی کیا ضرورت تھی جب کہ زہریلی سوئیوں کا بندوبست کر لیا گیا تھا، میں بتاتا ہوں، میں ان کی عادات سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ جب یہ کسی سے انتقام لینے جاتے تھے تو دونوں ایک ہی وقت میں دشمن کے سامنے نہیں جاتے تھے۔ پہلے ایک جاتا اور دشمن پر وار کرتا۔ اگر وہ ناکام ہو جاتا تو پھر دوسرا اندر داخل ہوتا۔ میں جانتا تھا کہ یہ جب بھی مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے، ان میں سے پہلے ایک اندر آئے گا۔ یہی ہوا، جیکارتا آیا۔ میں اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ یہاں شاید تمہارے ذہنوں میں یہ سوال ابھرے کہ اس نے دروازے پر ہی کیوں مجھ پر حملہ نہ کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اپنے دشمن کو اس طرح اچانک ختم نہیں کرتے، اسے کافی دیر تک تھر تھر کانپتے اور لرزتے دیکھتے ہیں۔ اسے اگلی پچھلی ساری باتیں یاد دلاتے ہیں اور جب دشمن کا مارے خوف کے دم نکلنے لگتا ہے تو وار کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے یقین تھا کہ پہلے ان میں سے ایک ڈرائنگ روم میں آئے گا۔ چنانچہ جیکارتا آیا، اس نے مجھ سے باتیں کیں اور بتایا کہ صرف میری

وجہ سے ان کا اتنا عظیم منصوبہ ناکام ہو گیا اور وہ اپنے مقصد کو نہ پا سکے۔ اس لیے اب وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ میں پہلے ہی تیار تھا۔ میں نے ڈرنے، کانپنے اور ہکلانے کی ایکٹنگ شروع کر دی۔ جیکارتا بہت خوش ہوا۔ جب وہ مجھے کانپتے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا تو میں نے بٹن دبا دیے اور وہ چپ چاپ موت کی گود میں جا سویا۔ اس کے بعد میں نے اسے اوندھے منہ فرش پر لٹایا، کمرے کا بلب توڑا، کرسی اٹھائی اور خفیہ راستہ کھول کر تہہ خانے میں اتر گیا۔۔۔ میں پہلے یہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ جوفیانو نے مجھے جیکارتا کو ختم کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں لیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اسے دوسرے طریقے سے ختم کرنے کی کوشش کرتا، کیونکہ وہ گولی کی زد میں نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا خوفناک ترین آدمی تھا، خیر مجھے معلوم ہوا کہ جوفیانو مکان سے باہر رہا تھا اور اس نے میری تلاش شروع کر دی ہے، ساتھ ہی تم نے پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس کی موجودگی میں، میں باہر نہیں آ سکتا

تھا، کیونکہ اس کی موجودگی میں جوفیانو اپنا کام کر جاتا۔ میں پولیس کے آدمیوں کو بچانے کے لیے گولی نہیں چلنک سکتا تھا۔ اس لیے میں نے انتظار کیا..... اس وقت کا جب پولیس والے بھی چلے جائیں اور تم لوگ بھی سو جاؤ۔۔۔ تاکہ میں اطمینان سے جوفیانو کو ختم کر سکوں۔۔۔ آخر وہ وقت آ گیا۔ میں تہہ خانے سے باہر نکل آیا اور بٹنوں والی کرسی پر اطمینان سے بیٹھ کر ایک کتاب پڑھنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ جوفیانو ضرور آئے گا، کیونکہ وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ بڑے سے بڑے تالے چٹکی بجاتے میں کھول لیتا ہے، کھڑکیوں کو چوکھٹ سمیت اکھاڑ پھینکتا ہے۔ تین تین منزلہ عمارتوں پر سے اس طرح چھلانگ لگا دیتا ہے جیسے کوئی بچہ کھڑکی سے گلی میں کود جائے۔ اس لیے مجھے پتا تھا کہ دروازے بند ہونے کے باوجود بھی، وہ آئے گا اور وہ آ گیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی میں نے تھرتھر کانپنے کی ایکٹنگ شروع کر دی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا، کیونکہ جیکارتا کی موت نے اس پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ مجھ سے ہوشیار رہنے کی ضرورت

ہے، لیکن آخر وہ بھی مار کھا گیا۔ زہریلی سوئی اسے بھی لے بیٹھی۔"

ابا جان یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اب سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا۔ اچانک آفتاب نے کہا:

"ابا جان! سوال یہ ہے کہ تہہ خانے میں رہ کر آپ کو حالات کیسے معلوم ہوتے رہے۔ یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ پولیس اور جوزیانو بھی آپ کو تلاش کر چکے ہیں؟"

"ہاں! تم نے اچھا سوال کیا۔ دراصل میں نے خالی پیلی تہہ خانہ نہیں بنوایا تھا۔ اس میں بجلی، پانی، ڈکٹا فون اور ٹیلے فون کا بھی انتظام کیا تھا۔ ڈکٹا فون سپیکر اسی کمرے میں آتش دان کے اوپر والی تصویر کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس کے ذریعے ڈرائنگ روم میں ہونے والی آوازیں بڑے مزے سے تہہ خانے میں سنی جا سکتی ہیں۔ میں نے تمھاری، پولیس کی اور جوزیانو کی تمام باتیں سنی تھیں اور مسکراتا رہا تھا۔"

"تو کیا کھانے پینے کی چیزوں کی وہ ٹرے بھی آپ ہی لے گئے تھے؟" اشفاق نے سوال کیا۔

"ہاں! مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ جونہی تم صدر دروازے کی طرف گئے، میں خفیہ راستے سے باہر نکلا اور ٹرے اٹھا کر واپس چلا گیا۔ ویسے آفتاب نے جو ہوائی چپلوں اور جوتوں سے حساب لگا کر یہ نتیجہ نکالا تھا کہ میں گھر میں ہی کہیں موجود ہوں، وہ بہت خوب تھا۔ تھانے دار تک کو اس بات کا خیال نہ آیا۔ آفتاب میں ایک جاسوس بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔" انھوں نے یہ کہتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

آفتاب کا سینہ فخر سے تن گیا اور ہم بڑا سا منھ بنا کر رہ گئے۔ اخلاق نے کہا:

"یہ ہر وقت جاسوسی کتابیں جو پڑھتا رہتا ہے۔ جاسوس نہیں بنے گا تو اور کیا بنے گا۔"

"مگر تم کیوں جل رہے ہو۔ تمھارا جو جی چاہے، تم بن جانا۔" آفتاب بولا۔

"ابا جان! کیا آپ ہمیں وہ تہہ خانہ نہیں دکھائیں گے؟" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں! کیوں نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھے۔ آتش دان کے قریب گئے اور اس کی چمنی میں ہاتھ ڈال کر کچھ کیا ـــــ اچانک

آتش دان کا راکھ سے بھرا ہوا فرش ایک طرف ہٹ گیا اور سیڑھیاں نمودار ہوئیں۔ فرش ہٹنے سے ہلکی سی آواز بھی پیدا نہ ہوئی۔

ہم ان کے پیچھے تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک آرام دہ کمرا تھا۔ اس میں ایک بستر لگا تھا، چھت پر ایک بلب بھی تھا جسے ابّا جان نے روشن کر دیا تھا۔ ایک کونے میں پانی کا نل موجود تھا۔ چارپائی کے نیچے کھانے کی چیزوں کی ٹرے رکھی تھی جو وہ ڈرائنگ روم سے اُٹھا لائے تھے۔ ہم نے محسوس کیا، تہہ خانہ بہت ٹھنڈا تھا۔

تہہ خانے کی سیر کر کے ہم واپس ڈرائنگ روم میں آ گئے اور ابّا جان نے پھر چمنی میں ہاتھ ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ میں نے چمنی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا، اس میں لوہے کی ایک سلاخ لگی تھی۔ میں نے اسے گھما دیا، دروازہ ایک بار پھر کھل گیا۔

"اسی طرح یہ اندر سے بند بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ تہہ خانہ میں نے ایک بہت بڑے کاریگر سے بنوایا تھا۔ اس میں ہوا کی آمدورفت کا بندوبست

بھی ہے۔ تہہ خانے میں گھٹن کا احساس نہیں ہوتا۔" اُنھوں نے بتایا۔

"تو کیا اب ہمیں پھر تھانیدار کو فون کرنا ہوگا؟" امّی نے پُوچھا۔

"لیکن اس نے ہم سے درخواست کی تھی کہ اب اسے نہ جگایا جائے۔" میں نے کہا۔

"مجبوری ہے، یہاں ایک اور واردات ہو گئی ہے۔ ہمیں اسے بُلانا ہی ہوگا۔"

یہ کہہ کر ابّا جان ٹیلے فون کا نمبر گھمانے لگے۔ پھر نمبر ملتے ہی اشفاق سے بولے:

"لو تھانیدار سے تم ہی بات کرو" یہ کہتے وقت وہ مُسکرائے بھی تھے۔

"جی میں؟" اشفاق گڑبڑا گیا۔

"ہاں۔ تم ہی کرو" ابّا جان مُسکرائے۔

اتنے میں دُوسری طرف سے جھلاہٹ میں ڈُوبی آواز سُنائی دی:

"ہالو..... کیا اس شہر کے لوگوں نے دن کے وقت سونا شروع کر دیا ہے۔ یا یہ رات ہی منحوس ہے۔"

"تھانیدار صاحب، یہ میں ہوں اشفاق!" اشفاق نے جلدی سے کہا۔

"مجھے تو ایسے لگتا ہے جیسے اس شہر کے سارے نوجوانوں نے اپنا نام اشفاق رکھ لیا ہے۔ اس سے پہلے بھی مجھے دو مرتبہ اس نام کے لڑکے نے فون کیا تھا۔"

"جی ہاں — میں وہی ہوں یعنی مشتاق احمد خان کا لڑکا" اشفاق نے کہا۔

"کیا کہا — تم وہی ہو — اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ اب دن نکلنے سے پہلے مجھے فون نہ کرنا — تم پھر بھی باز نہیں آئے" اس کی غصّے بھری آواز سُنائی دی۔

"جی ہاں آپ نے کہا تھا... مگر"

"میں جانتا ہوں — تم نے اب کیوں فون کیا ہے۔ جوفیانو گھر کے اندر گھس آیا ہوگا۔ کیوں یہی بات ہے نا؟ فکر نہ کرو، وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔" تھانیدار نے تسلی دی۔

"جی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ جوفیانو دُوسری دُنیا کا ٹکٹ کٹا چکا ہے۔"

"کیا کہا؟" دُوسری طرف سے چلّا کر کہا گیا۔

"جی ہاں، ہمارے ابّا جان نے اسے جی موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔"

"تمہارے ابّا جان، تو وہ واپس آ گئے؟" اس نے ملق پھاڑ کر کہا۔

"جی — وہ کہیں گئے ہی نہیں تھے۔"

"اوہ خُدایا، ٹھہرو — میں آ رہا ہوں" اشفاق کو ریسیور کے زور سے پٹخنے کی آواز سُنائی دی۔

ہم تھانیدار کا انتظار کرنے لگے۔

اس کے آنے پر ابّا جان نے اسے ہر بات تفصیل سے بتائی۔ تھانیدار کی حیرت کا کیا پُوچھنا۔ اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے ابّا جان پندرہ سال پہلے خفیہ پولیس کے سب سے بڑے افسر تھے تو اس نے ایک دم اُنھیں سلیوٹ کیا۔

تو دوستو — اس طرح یہ حیرت انگیز اور پُراسرار کہانی ختم ہوئی۔ تہہ خانہ آج بھی ہمارے گھر میں موجود ہے۔ گرمیوں میں جب گرمی نہیں ستاتی ہے تو ہم تہہ خانے کا رُخ کرتے ہیں۔ یقین جانیے۔ ایئرکنڈیشنڈ کمرے کا لُطف آ جاتا ہے۔

اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں مگر ہمیں آج بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ابھی کل کی بات ہے کہ جیکارتا ہمارے ڈرائنگ روم کے فرش پر اوندھے منہ مُردہ پڑا تھا۔ اور اس کے بعد جوفیانو کی باری آئی تھی۔ پھر جب ہم ان تمام واقعات پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عقل سے بڑے سے بڑا اُلجھا ہوا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

۲۰۰۰۰ روپے کے نقد انعامات

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ فروری کو پڑھیے — قیمت -/۱۵ روپے

منی خاص نمبر

تینوں پارٹیوں کی مشترکہ مہم

ناول نمبر ۳۲۳

آپ کا مُجرم

معنف : اشتیاق احمد

○ ایک بہت قیمتی بیگ گم تھا۔ اور پولیس یہ جاننے سے قاصر تھی کہ

بیگ گیا تو کہاں۔

○ شوکی برادرز بھی یہ سُراغ نہ لگا سکے کہ بیگ کس طرح چوری کیا گیا۔

○ آخر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو دعوت دی گئی۔ کیوں کہ۔ بیگ پارسنے ملک کے لیے اہم تھا۔

○ ایک چرواہے کی ان سے ملاقات۔

○ دروازہ کھلا تو ایک لڑکی خون آلود ہاتھوں میں ایک ملاقاتی کارڈ لیے کھڑی تھی۔

○ لیکن۔ کس کا ملاقاتی کارڈ۔ انھیں شدید جھٹکا لگا۔

○ تین بوڑھی عورتوں سے ملے۔ پولیس کی ان سے پہلے بھی ملاقات ہو چکی تھی، لیکن فاروق اور آفتاب نے انوکھے انداز میں ملاقات کی۔

○ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو اس مہم میں آپ شانہ بشانہ پائیں گے۔

○ اس بار کا ناول مکمل طور پر جاسوسی ناول ثابت ہوگا۔

○ سسپنس میں ہر قدم پر اضافہ۔ آپ خود کو گھن چکر محسوس کریں گے۔

○ اور بے تابانہ انداز میں ورق اُلٹتے چلے جائیں گے۔ آپ کی بے چینی کسی طرح بھی کم نہیں ہوگی۔

○ ہوٹل میں ایک شخص کی پُراسرار موت۔

○ انسپکٹر کامران مرزا کو اس کی جیب سے ایک عجیب چیز نظر آئی۔

○ ایک سائنس دان کے پُراسرار مضمون نے کیس کی کایا پلٹ دی۔

○ اس سائنس دان کے گھر میں انھیں کیا نظر آیا۔ مارے حیرت کے ان کی آنکھیں کیوں پھیل گئیں۔

○ اس بار کا مجرم آپ کو ششدر پر ششدر دے گا۔ بلکہ آپ کے کرداروں کو بھی۔

○ کردار بے بس بھی نظر آئیں گے۔ اور اپنا کام کرتے بھی۔

○ آخری لمحات حد درجے سنسنی خیز تھے۔ جب موت ان سب کے سامنے تھی۔

○ مجرم کا پروگرام انتہائی خوف ناک تھا۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والا۔

○ اور جب شوکی بے تحاشا چیخنے لگا۔

○ آپ اس ناول کو مدتوں نہیں بھلا سکیں گے۔

اور — اب انعامی سکیم:

● ۲۰۰۰ روپے کے نقد انعامات سب سے پہلے موصول ہونے والے بیس درست جوابات پر ۱۰۰ روپے فی کس دیے جائیں گے۔

● انعامی سوال والے ورق کو ناول میں سے علیحدہ کر کے اسی پر جواب لکھ کر ارسال کریں، بصورت دیگر آپ مقابلے میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔

● اس لیے میں وقت پر گھر بیٹھے ناول حاصل کرنے کے لیے آپ مبلغ ۱۵/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر کے پتے پر ارسال کریں یا ۱۵/- روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج دیں۔ ناول آپ کو بذریعہ رجسٹری بھیج دیا جائے گا۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز ۴۰

اندھیرے کا مجرم

معنف : آفتاب احمد

- شوبراک ۔ کون شوبراک ؟
- اچانک ملک کا تختہ الٹ گیا ۔
- ایک اہم مقصد کی خاطر بابر، توقیر اور رفعت گولیوں کی بوچھاڑ اپنے سینوں پر جھیل گئے ۔
- پاک لینڈ کے صدر کو ایک بڑی طاقت ایک خاص وجہ سے قتل کروا دیتی ہے ۔ وہ وجہ کیا تھی ۔
- اسی وجہ کی بنا پر نئے صدر کے لیے عالم کفر نے خوف ناک پروگرام بنایا ۔
- اپنے پاک وطن کی خاطر اس مرتبہ ارسلان پارٹی خون کے سیلاب میں بہ گئی ۔

قیمت : ۵۰/- روپے

اشتیاق احمد

کے درجن بھر ناول پر مشتمل یہ ناول اب
اشتیاق پبلی کیشنز سے شائع ہو رہے ہیں

- پُراسرار دوائیں
- خوف ناک مکھی
- گم شدہ خواب
- موت کا کھیل
- ڈاکو کا خوف
- کنٹرولر
- جنگل کی چیخ
- آدم پُراسرار
- سولہ تیرتین فائر
- موت کا خوف
- ایک رات کا ہنگامہ

اشتیاق پبلی کیشنز

نصیر آباد ○ سلیم پور ○ شاہ کوٹ ○ لاہور

برانچ آفس — وی ۸/۶ سٹیلائٹ ٹاؤن — جھنگ صدر

فون ۳۲۱۵ — ۲۸۶۹